ہفت روزہ
ندائے خلافت
۷/مارچ ۱۹۹۴ء

☆ رواں صدی میں آفتابِ خلافت غروب ہوا، طلوع بھی ہو گا!
☆ برصغیر کے لئے امریکہ کی نئی پالیسی کے نشیب و فراز
☆ نخش اور عریاں عید کارڈوں کے خلاف ایک مظاہرہ

"بنیاد پرستی" اپنانے کی ضرورت ہے

"دنیا بھر میں جنگ کی بنیاد انفرادی یا محدود قبائلی سطح پر زر، زن اور زمین کی حرص میں شروع ہوئی تھی۔ پھر اس نے سامراجیت (colonialism) کا رنگ چڑھا کر زبردست کی حکمرانی اور زیردست کی غلامی کا وطیرہ اختیار کر لیا۔ اس کا بنیادی مقصد ملک گیری کی ہوس تھا۔ اگلی منزل میں سیاسی نظام، معاشی نظریات اور سماجی اقدار میں اختلافات اور تصادم نے بڑے پیمانے پر عالمگیر جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اب رفتہ رفتہ ہوا کا رخ مزید بدل رہا ہے۔ حالیہ آثار گواہی دیتے ہیں کہ جلد یا بدیر سب سے بڑی اور ممکن ہے کہ آخری جنگ دین کی اساس پر دو تہذیبوں اور تمدنوں کے درمیان لڑی جائے۔ دنیائے اسلام ایک طرف اور باقی تمام غیر مسلم عناصر باہم مل جل کر دوسری جانب۔ اس امکان کو فراموش کرنے یا اس سے نبرد آزما ہونے کی تیاری میں غفلت سے کام لینے میں عالم اسلام کو عموماً اور پاکستان کو خصوصاً سب سے بڑا اور مہلک خطرہ ہے۔"

"پاکستان میں اسلام کے فروغ کا نصب العین فقط ہمارے مفاد ہی میں نہیں، بلکہ افغانستان اور سنٹرل ایشیا کے لئے بھی کام آسکتا ہے لیکن Islamization کے پردے میں Fundamentalism کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر امور ریاست میں اسلام کے نام پر سب کچھ کار بے بنیاد ہے۔

ہمیں حب الوطنی کا جذبہ نہیں بلکہ جنون درکار ہے۔ جذبہ تو محض ایک حنوط شدہ لاش کی مانند دل کے تابوت میں منجمد رہ سکتا ہے۔ جنون جوش جہاد اور شوق شہادت سے خون گرماتا ہے۔ اسی میں پاکستان کی سلامتی اور مستقبل کا راز پوشیدہ ہے۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر　　شریک زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں!　　مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر"

(قدرت اللہ شہاب کے "شہاب نامہ" سے ماخوذ)

قیمت ۵ روپے

ناظمِ اعلیٰ نے سرگودھا ڈویژن کا دورہ کیا

محمد اقبال

تحریک خلافت پاکستان کے جواں جذبوں کے حامل بزرگ ناظم اعلیٰ جنرل محمد حسین انصاری مدظلہ عمر کے اس حصے میں بھی اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔ دعوتی و تحریکی دوروں کا سلسلہ نظامت علیاء سنبھالنے کے فوراً بعد سے شروع کر دیا تھا جو تاحال جاری ہے۔ محترم جنرل انصاری صاحب "دفتری" قسم کے ناظم اعلیٰ ہرگز نہیں ہیں۔

جنرل انصاری صاحب نے معاونین سے ذاتی رابطہ کے لئے ملک بھر کا دورہ کیا۔ اس دورے کے آخری مرحلے میں آپ نے سرگودھا ڈویژن کا دورہ کیا جس کی مختصر روداد یہ ہے۔ ۴ فروری بروز جمعہ المبارک صبح آٹھ بجے تین افراد پر مشتمل مختصر سا قافلہ فیصل آباد کے لئے روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں تحریک خلافت کے ناظم اعلیٰ جنرل انصاری صاحب کے علاوہ راقم الحروف اور جناب تنویر عظمت، جو شکاگو سے ایک سالہ کورس کے لئے قرآن کالج آئے ہوئے ہیں، شامل تھے۔ ساڑھے دس بجے فیصل آباد پہنچنے پر ملک احسان الٰہی، ناظم تحریک خلافت سرگودھا ڈویژن اور جناب عمر رشید امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد بس اسٹینڈ پر منتظر تھے۔

فیصل آباد کی مصروفیات کا پروگرام وہاں کے ذمہ دار حضرات نے چونکہ پہلے سے طے کیا ہوا تھا لہٰذا ہم بس اسٹینڈ سے ہی تحریک خلافت کے معاون جناب میاں محمد اسلم کے گھر چلے گئے۔ میاں محمد اسلم صاحب کے مکان کے نزدیک واقع جامع مسجد صدیقیہ میں ناظم اعلیٰ صاحب کے خطاب جمعہ کا پروگرام بھی پہلے سے طے تھا۔ مقامی رفقاء تنظیم اسلامی و معاونین تحریک خلافت نے اس پروگرام کی اچھی خاصی تشہیر کی تھی، باقاعدہ پوسٹر لگائے گئے اور اعلانات وغیرہ بھی کئے گئے۔

یقیناً یہ رفقاء کی محنتوں کا ثمر تھا کہ مسجد میں حاضری شروع وقت میں ہی کافی زیادہ تھی۔ جنرل صاحب نے اپنے خطاب میں موجودہ فرسودہ اور باطل نظام کو بدلنے پر زور دیا۔ آپ نے کہا کہ نظام خلافت برپا کرنے کی جدوجہد کا پہلا قدم یہ ہے کہ عوام الناس کو نظام خلافت کی برکات سے کماحقہ' آگاہ کیا جائے۔ عوام الناس ہی نہیں بلکہ ہمارے خواص بھی "اسلامی نظام" سے مراد چند حدود و تعزیرات کی تنفیذ سمجھتے ہیں۔ جدید پڑھے لکھے لوگوں کا بھی یہی گمان ہے کہ نظام اسلام سے مراد کوڑے مارنا، سنگسار کرنا اور ہاتھ کاٹنا ہے۔

جنرل انصاری صاحب نے نظام خلافت کی برکات پر کھل کر بات کی۔ آپ نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ ہمارے تمام مصائب و مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ ہم نظام خلافت کو اپنے سینے سے لگالیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ نظام خلافت برپا ہونے کے بعد شہریوں کی کفالت ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ اسلامی ریاست اس بات کی پابند ہوگی کہ وہ روزگار مہیا کرے نیز بے سہارا لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرے۔

نماز جمعہ کے بعد محترم جنرل صاحب نے معاونین واحباب سے مسجد میں ہی ملاقات کی۔ اس تعارفی نشست کے اختتام کے بعد ہم دوبارہ میاں محمد اسلم صاحب کے گھر پہنچے۔ میاں محمد اسلم صاحب کے گھر اس علاقے کے معاونین تحریک خلافت جمع تھے۔ محترم جنرل انصاری صاحب نے انفرادی طور پر تمام معاونین سے ملاقات کی۔ جنرل صاحب نے ان کے کام کی نوعیت، درپیش مسائل و مشکلات اور آئندہ کے لئے عزائم ولائحہ عمل ایسے موضوعات پر معاونین سے تبادلہ خیال کیا۔ یہ محفل کافی دیر تک جاری رہی۔

اس کے بعد جنرل صاحب فیصل آباد میں قرآن اکیڈمی کے لئے مختص جگہ کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ بہت ہی خوبصورت علاقہ ہے۔ قرآن اکیڈمی کے لئے ساڑھے سات کنال کا پلاٹ دو متمول خواتین نے انجمن خدام القرآن کو بطور عطیہ دیا ہے۔ اس جگہ اکیڈمی کی تعمیر کا کام بھی ابتدائی مراحل میں شروع ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ اس قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے بعد "تحریک رجوع الی القرآن" کو آگے بڑھانے اور نور قرآن کے انشاء عام کے لئے ذہین و فطین نوجوان میسر آئیں گے۔

قرآن اکیڈمی کے معائنہ سے فارغ ہونے کے بعد میاں اسلم صاحب کی معیت میں انجمن خدام القرآن کے دفتر پہنچے جو تحریک خلافت کے دفتر کے طور پر بھی استعمال ہو رہا ہے۔ نماز عصر کے بعد سے اسی مقام پر معاونین تحریک خلافت سے انفرادی ملاقات کا پروگرام طے تھا۔ چنانچہ پینتیس افراد سے محترم جنرل صاحب نے ملاقات کی۔ ملاقات کا انداز وہی تھا جس کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔

رات کا پرتکلف کھانا ناظم تحریک خلافت سرگودھا ڈویژن ملک احسان الٰہی صاحب کے گھر تھا۔ اگلے روز یعنی پانچ فروری کو "یک جہتی کشمیر" کے ضمن میں ملک بھر میں ہڑتال تھی لہٰذا رات کو ہی سرگودھا جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اب ہمارے قافلے میں دو رفقاء کا اضافہ ہو گیا۔ سرگودھا جاتے ہوئے راستہ میں چنیوٹ کا پل بند ہونے کی وجہ سے واپس پنڈی بھٹیاں کی طرف ایک طویل راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اس طرح رات ایک بجے سرگودھا پہنچے۔ سرگودھا پہنچنے پر رات کا بقیہ حصہ ہم نے چک ۸۱ شمالی میں معاون تحریک جناب حاجی اصغر علی کے گھر قیام کیا۔ یہیں ۵ فروری کی صبح کو دو مقامی معاونین سے جنرل صاحب نے ملاقات بھی کی۔

۵ فروری کو ہم سرگودھا شہر میں مقیم رفیق محترم اللہ بخش صاحب کے گھر دس بجے کے قریب پہنچے۔ محترم اللہ بخش صاحب کے مکان پر ہی قبیلہ انصار کے افراد کا ایک وفد جنرل صاحب سے ملاقات کے لئے موجود تھا۔ یہ واضح کر دیا جائے کہ محترم ناظم اعلیٰ کا تعلق بھی چونکہ قبیلہ انصار ہی سے ہے۔ انصاری مدظلہ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو تحریک خلافت کے پروگرام و مقاصد واہداف اور طریق کار سے آگاہ کیا نیز انہیں تحریک خلافت میں شمولیت کی دعوت بھی دی۔

۵ فروری کو ہی ۱۲ بجے تحریک خلافت کے دفتر پہنچے۔ جہاں پچیس معاونین تحریک جمع تھے۔ محترم جنرل صاحب نے تمام موجود معاونین معاونین سے ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد محترم اللہ بخش

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۳ شمارہ ۱۰
۷ مارچ ۱۹۹۴ء

5

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۲ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

افتتاحیہ

ماہ مبارک کا عشرۂ رحمت

رمضان کے ماہ مبارک کا دوسرا عشرہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے۔ اس کے فرمانبردار بندوں کو رحمت خداوندی میں سے حصہ رسدی یقیناً نصیب ہوگا لیکن ہمارے ملک کی سیاست عین اسی عشرے میں شدید بحرانی کیفیت سے دوچار ہوگئی ہے تو درحقیقت یہ ہمارے اپنے اعمال کی شامت ہے۔ ذرا تصور تو کیجئے ۲۳/ فروری کو سرحد کی صوبائی اسمبلی میں کیا منظر رہا ہوگا۔ اخباری رپورٹوں میں بہت بتا دیا گیا لیکن تان اس پر ٹوٹی کہ فقرے جو کسے گئے اور جس نوع کے اشاروں نے متحارب گروہ کے تقریباً سب ارکان کی طرف سے ایک دوسرے کی طرف رخ کیا' ان کا مفہوم بیان کرنے کی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ ہمارے پشتون بھائی روزے کے معاملے میں نماز سے بھی کہیں زیادہ سختی برتتے ہیں' ان کے یہاں روزہ خوری کو مردانگی کی نفی سمجھا جاتا ہے لہٰذا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ سبھی روزے سے ہوں گے۔ لیکن افسوس کہ روزے کی ڈھال نے بھی کام نہ دیا اور اخلاق و شائستگی کی روایات ایوان کے پارہ پارہ ہو کر رہی۔ پھر اس کے جو نتائج نکلے ان کے سیاسی' قانونی اور دستوری پہلوؤں پر رائے زنی کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے' کہنے والے کہہ ہی رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو صوبائی ایوان کو اس گناہ کی جو سزا صدر مملکت نے دی وہ جرم کی سنگینی کے مقابلے میں بہت ہلکی ہے۔

ادھر سابق وزیراعظم اور قائد حزب اختلاف جناب محمد نواز شریف صاحب نے اسی عشرے کے ایک جمعہ کے مبارک دن حکومت کے خلاف اعلان جہاد کر دیا اور یہ اعلان مسجد کے زیر سایہ ہوا ہے۔ اس جہاد میں ان کے یمین و یسار اے این پی اور ایم کیو ایم کے سرفروشوں جیسے مجاہدین اسلام صف آراء ہیں۔ پوری قوم بزعم خود ان کی پشت پر ہے اور مقابل میں بقول ان کے اکیلی بے نظیر ہے جسے اب وہ پاکستان کی وزیرۂ عظمیٰ تو کیا' پاکستانی بھی ماننے کو تیار نہیں۔ دے جسے مولا! بغیر اعلان کے اس جہاد کی تیاری تو نواز شریف صاحب نے اسی روز شروع کر دی تھی جب اکتوبر ۹۳ء کے عام انتخابات کے بعد نئی حکومت عالم وجود میں آئی تاہم طبل جنگ پر ضرب انہوں نے اب لگائی ہے جب بے نظیر بھٹو کا انٹرویو بی بی سی سے نشر ہوا ---(بھس میں آگ لگا کے جمالو دور کھڑی)۔ اور اس جلتی پر تیل کا کام سرحد میں ان کی صوبائی حکومت پر پیپلز پارٹی کے حملے نے کیا۔ اس حکومت کو جب وہی پتے ہوا دینے لگے جن پر تکیہ تھا تو شیرپاؤ صاحب صبر کا مظاہرہ کیوں کرتے؟--- بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ جائے تو اسے روزہ افطار کرنے سے کون روک سکتا ہے!

سیاست کا یہ گندا کھیل ملک خداداد میں ایک عرصے سے کھیلا جا رہا ہے بلکہ بدقسمتی سے ہماری سیاسی تاریخ اسی کھیل پر "رواں تبصرے" سے ہی عبارت ہے جسے ملک کے باشندوں کی خاموش اکثریت دیکھنے اور سننے پر مجبور ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کھیل میں ایک فریق کی ہار ہوتی ہے' ایک کی جیت لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ ہار کا اور جیت کا بھی نقصان ہمیشہ ملک و قوم نے اٹھایا۔ اب جو میدان سیاست میں گھمسان کا رن پڑنے والا ہے اس کے نتیجے میں بھی کوئی نئی بلا ہم پر نازل ہوگی الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے بچاؤ کا کوئی سامان کر دیں۔ فضل خاص سے اس لئے کہ ہمارا استحقاق تو بنتا نہیں۔ آئی بلا کو ٹالنے کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی توبہ کی تلقین کی گئی ہے جس کی طرف ہماری طبیعت نہیں آتی بلکہ حال تو یہ ہے کہ انفرادی توبہ کی توفیق بھی ابنائے قوم میں سے بس خال خال لوگوں کو ہی میسر ہوتی ہے حالانکہ نیکیوں کے اس موسم بہار میں ہر طرف توبہ کی منادی سنائی دیتی اور پاکستان کے مسلمان جوق در جوق اللہ کی طرف رجوع کرتے دکھائی دیتے۔ اب اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی' نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کو بدلنے کا۔

یہ سانحہ بھی رمضان المبارک میں رونما ہونا تھا کہ پشاور سے ایک سکول بس اغوا ہوئی اور تین افغان

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

الھدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۸۵)

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا'

(کہ خواہ کوئی شخص اس رائے کو صحیح سمجھتا ہو کہ ماہ رمضان المبارک میں قرآن حکیم کو لوح محفوظ سے سماء دنیا تک اتار اگیا تھا یا کوئی اس رائے کو زیادہ مضبوط اور معتبر جانتا ہو کہ اس ماہ مبارک میں نبی اکرم ﷺ پر نزول قرآن کا آغاز ہوا تھا' بہرصورت یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس ماہ مبارک کی فضیلت کی واحد بنیاد قرآن حکیم ہی ہے۔ یہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ روزے کی عبادت کو قرآن حکیم کے ساتھ کوئی خصوصی معنوی نسبت بھی حاصل ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح کا اہتمام اور رات کا اکثر حصہ قرآن حکیم کے ساتھ بسر کرنے کی نبوی ﷺ تلقین دراصل روزے اور رمضان کے اسی تعلق کے مظاہر ہیں۔)

ہدایت ہے لوگوں کے لئے' اور روشن دلیلیں ہیں راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی'

(یہ قرآن پوری نوع انسانی کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ اور ہدایت ہی دراصل وہ شے ہے جس کا انسان سب سے بڑھ کر ضرورت مند اور محتاج ہے۔ اس لئے کہ اس کی ابدی زندگی کی صلاح و فلاح کا تمام تر دارومدار ہدایت پر ہی ہے۔ اس کتاب مبین کی ہدایت محض دانشوروں' فلسفیوں یا حکیموں ہی پر منکشف نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کتاب کا اعجاز ہے کہ ہر خاص و عام اس کی ہدایت سے بہ آسانی اور بہ سہولت فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ہر علمی و ذہنی سطح کے حامل شخص کے لئے اس کی علمی پیاس کی تسکین اور رہنمائی کا وافر سامان اس میں موجود ہے۔ پھر یہ کہ ہدایت کی سوغات اس کتاب میں مغلق اور مبہم انداز میں مخفی نہیں رکھی گئی بلکہ یہ کتاب درحقیقت ہدایت کی روشن و تابناک دلیلوں اور حق و باطل سے جدا کرنے والے واضح دلائل پر مشتمل ہے۔)

سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے تو ضرور روزے رکھے اس کے' اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے!

(رمضان اور قرآن کے تعلق کو واضح فرمانے کے بعد فرضیت صیام کے حکم کا اعلان کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی تم میں سے اس مبارک مہینے کو پائے تو اس پر فرض ہے کہ پورے ماہ روزے کا التزام کرے۔ ہاں مریض اور مسافر کے لئے اس رعایت کو برقرار رکھا گیا کہ وہ مذکورہ بالا عذرات کے باعث اگر ماہ رمضان میں روزے نہ رکھ سکیں تو بعد میں روزے رکھ کر تعداد پوری کریں۔)

اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا'

(کہ مریض اور مسافر کے لئے اس رعایت سے مقصود دراصل تمہیں سہولت فراہم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ انسان پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہاں تم خود اپنے آپ کو مشقت میں ڈالو اور اس رعایت سے فائدہ اٹھاؤ تو اس کی ذمہ داری تمہی پر آئے گی۔)

اور تاکہ تم تعداد پوری کرو' اور اللہ نے جو ہدایت تمہیں بخشی ہے اس پر اس کی تکبیر کرو اور تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو○

(کہ روزے کے ثواب میں برابر کا حصہ پانے کے لئے تعداد بہرطور پوری کرنی ہوگی۔ اور جان لو کہ روزہ رکھنے سے ہی تمہاری روح کو بالیدگی حاصل ہوگی اور اس میں حیات تازہ پیدا ہوگی جن کے نتیجے میں نہ صرف کہ تم قرآن حکیم کی قدر دانی بہتر طور پر کر سکو گے' بلکہ اس ہدایت عظمیٰ پر تم دل و دماغ کی شہادت کے ساتھ اللہ کی بڑائی اور تکبیر کر سکو گے اور اس احسان عظیم پر اللہ کے شکر و امتنان کے جذبات بھی تمہارے قلب کی گہرائیوں سے پھوٹیں گے۔)

برصغیر کے لئے امریکہ کی نئی پالیسی کے نشیب و فراز

عبدالکریم عابد

بے نظیر حکومت کا منطقی انجام قریب ہے؟

نواز شریف ہولے ہولے قدم اٹھائیں، لانگ یا فاسٹ مارچ نہ کریں

جناب نواز شریف نے صحافیوں کو افطار پر اپنے گھر مدعو کیا۔ اور اس موقع پر اپنی مختصر تقریر میں انہوں نے کہا کہ جب بے نظیر صاحبہ نے وزارت عظمیٰ کے عہدہ کا حلف لیا تو انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہم ملک کو ایک اچھی اور صحت مند اپوزیشن دیں گے جو نہ لانگ مارچ کرے گی نہ حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کریگی۔ ہمارا رویہ مثبت اور تعمیری ہوگا لیکن اس تقریر کے بعد ہمیں سندھ سے انتقامی کارروائیوں کی خبریں ملتی رہیں اور ہم نے سوچا کہ پاکستانی سیاست کا یہی چلن ہے کہ مخالفین کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایسا ہوتا آیا ہے اور اب ہو رہا ہے تو کوئی غیر معمولی بات نہیں، ہمیں صبر اور تحمل سے کام لینا چاہئے مگر جب ضمنی انتخابات آئے تو اس میں نہ صرف بڑے پیمانے کی دھاندلی ہوئی بلکہ مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ گولی میری بجائے ایک اور شخص کو لگی، وہ ہلاک ہوا اور میں بال بال بچ گیا۔

اس واقعہ کی نوعیت سنگین تھی مگر جب وزیر اعظم نے اسے ڈرامہ قرار دیا اور ہمارا مذاق اڑایا تو ہم سمجھ گئے کہ انہیں ہمارا تعاون درکار ہی نہیں ہے حالانکہ جس وقت یہ قاتلانہ حملہ ہوا ہماری میٹنگیں چل رہی تھیں اور ان میں حکومت کے ساتھ آئینی معاملات پر پیکیج ڈیل کے لئے ہم سنجیدگی سے مدد کر رہے تھے۔ مگر اس واقعہ اور اس پر بے نظیر صاحبہ کا غیر سنجیدہ رد عمل دیکھ کر ہمیں اپنی سوچ پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ اب بھی پیپلزپارٹی کی صفوں میں بہت سے مایوس اور ناراض لوگ بیٹھے ہیں جو ہمیں کچھ کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ کچھ اور انتظار کیا جائے تاکہ حکومت کے کرتوت سب کے سامنے آجائیں، وہ پوری طرح بے نقاب ہو۔ اس کے بعد ہم اپنا پروگرام بنائیں گے۔ فی الحال ہم نے سرحد کے جمہوریت کش عمل کے خلاف ملک گیر احتجاج کا فیصلہ کیا ہے۔

میاں صاحب کے اس طرز گفتگو سے یہ ظاہر تھا کہ وہ ایجی ٹیشن کی سمت جانے کا فیصلہ تو کر چکے ہیں لیکن تاحال فوراً سے کوئی بڑی کال دینے سے گریز کرنا چاہتے ہیں اور یہ اچھا ہے کہ وہ اچانک ایجی ٹیشن کی جانب چھلانگ نہ لگائیں اور بے نظیر حکومت کو اس کے منطقی انجام تک سفر کرنے دیں جس سے پہلے کوئی ہنگامہ برپا کرنا ملک کے اور میاں صاحب کے مفاد میں نہیں ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ کشمیر کو عنوان بنا رہا ہے اور اس سے گریز بھی کر رہا ہے۔ یہ متضاد رویہ اس نے بھارت کے ساتھ سودے بازی کے لئے اپنایا ہے۔ جہاں تک معیشت کا معاملہ ہے، بھارت نے اپنا ملک ملٹی نیشنل کے لئے کھول دیا ہے اور معیشت کے قوانین ڈھیلے کئے جا رہے ہیں۔ بھارت میں مغربی سرمایہ کاروں کے لئے یہ کشش ہے کہ یہاں عام مزدور سے لے کر انجینئر اور سائنسدان تک کم معاوضوں پر دستیاب ہیں اور ترقی یافتہ ملکوں میں بھاری ٹیکسوں اور معاوضوں کے بوجھ تلے دبی صنعتیں بھارت منتقل کرکے برآمدات کے لئے کم لاگت کی اشیا تیار ہو سکتی ہیں ان میں چھوٹا بڑا اسلحہ بھی شامل ہے کیونکہ جدید اسلحہ سازی کے لئے جو ٹیکنیکی سطح چاہئے وہ بھارت میں مل سکتی ہے۔

معیشت سے قطع نظر سیاست کو دیکھا جائے تو بھارت میں اصلی اور حقیقی جمہوریت نہیں ہے لیکن یہ بھی کمال کی بات ہے کہ گزشتہ پینتالیس سال سے ایک جمہوری ڈھانچہ تسلسل کے ساتھ چل رہا ہے، کسی مارشل لاء کا خطرہ نہیں اور پالیسی سازی معروف طریقے پر سیاسی اور پارلیمانی انداز میں ہوتی ہے۔ ثقافتی اعتبار سے غیر ملکی ٹی وی کو اپنی یلغار کے لئے راستہ دے دیا گیا ہے اور ٹی وی کے بعد پرنٹ میڈیا میں امریکہ برطانیہ کے روزنامے اور ہفت روزے بھارت سے نکالنے کے موضوع پر مباحثہ چل پڑا ہے اور کارکن صحافی اچھے معاوضوں کی امید پر غیر ملکی پرنٹ میڈیا کو ملک میں داخلے دینے کی حمایت کر رہے ہیں۔

دفاعی نقطہ نظر سے بھارت نے ڈھائی ہزار میل مار کرنے والا اگنی میزائل تیار کر لیا ہے اور پانچ ہزار میل تک مار کرنے والے میزائل بنانے کی تیاریاں ہیں۔ ان میزائلوں پر ایٹم بم نصب کئے جاسکتے ہیں۔ بحر ہند میں بھارت کی بحریہ نے اپنی قوت کافی بڑھالی ہے۔ بھارت کی تصویر کا ایک پہلو یہ بھی ہے وہ تبت کے حوالے سے چین کے خلاف بھی بوقت ضرورت استعمال کیا جاسکتا ہے اور یہ سارے پہلو ایسے ہیں کہ بھارت امریکہ کے لئے اہمیت رکھتا ہے اور امریکہ کی کوشش ہے کہ زوری یا زاری کسی طریقے سے بھی بھارت کو اپنے طے کردہ راستہ پر لایا جائے لیکن بھارتی حکام اور سیاست دان کافی موٹی کھال کے ہیں۔ وہ بیرونی دباؤ کا مقابلہ کرنے کے فن سے واقف ہیں اور لندن، پیرس، واشنگٹن میں ان کی مضبوط لابیاں ہیں۔ اس لئے صدر کلنٹن کشمیر کا تذکرہ کریں، مشرقی پنجاب کا مسئلہ اٹھائیں، ایٹمی میزائلی تیاریوں کی پاداش میں امداد بند کرنے کی دھمکی دیں یا کچھ اور کریں ہر صورت میں بھارت متحد اور منظم انداز میں امریکی دباؤ کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہے اور مقابلہ کر رہا ہے۔

ہم پاکستان میں بیٹھے لوگ صرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ "امریکہ بمقابلہ بھارت" میں جیت کس کو ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ہماری خواہش ہوگی کہ امریکہ ہی کی جیت ہو ورنہ بھارت امریکہ سے بے فکر ہوگیا تو ہم پر ٹوٹ پڑے گا۔ اس لحاظ سے ہمارے طاقت کے

سرچشموں نے بے نظیر صاحبہ کو آگے کیا ہے تاکہ امریکہ جی جان سے خوش ہو کر بھارت پر دباؤ ڈالے اور اس کا بندوبست کرے۔ بے نظیر مغرب کے مقابلہ میں ہماری ڈھال بھی ہیں اور چال بھی ہیں۔ وہ اس امر کی علامت ہیں کہ پاکستان کا چہرہ بنیاد پرستی کا چہرہ نہیں اور یہ جو امریکہ کی خواہش ہے کہ وہ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت چلے تو برصغیر کو بھی اپنے دائیں بائیں جلو میں لے کر چلے تو اس کے لئے بھی بے نظیر اچھا انتخاب ہے کیونکہ وہ بھارت سے مفاہمت کے حق میں ہیں اور سکھوں کے مسئلہ پر بیان دے کر بھارت سے اپنی خیرسگالی کا اظہار کر چکی ہیں۔ وہ بھارت کی رائے عامہ میں اپنے لئے جگہ بنانے کا شوق بھی رکھتی ہیں۔

نواز شریف کو ہٹا کر اس طرح کا رہنما سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت لایا گیا ہے کہ امریکہ کو بھارت کا تعاقب کرنے اور اسے پاکستان کے ساتھ میز پر لا بٹھانے میں آسانی ہو۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بھارت اہم ہے تو امریکہ پاکستان کو نظر انداز کر کے بھارت سے اس کی پسند کے مطابق معاملہ کیوں نہیں کر لیتا؟۔ پاکستان میں ایسے کیا ہیرے لگے ہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ حضرت گاندھی کے ساتھ شیخ بدھو بھی ضرور رہیں۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ سرد جنگ ختم ہو گئی، روس کا تیاپانچا ہو گیا اب پاکستان کی نہ کوئی اہمیت ہے نہ ضرورت ہے لیکن یہ خیال سطحی نوعیت کا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان نے اصل اہمیت سرد جنگ کے بعد ہی حاصل کی ہے۔ ایک اہم چیز تو اس کا جغرافیائی محل وقوع ہے جو بھارت کو نصیب نہیں، ایک طرف عرب و عجم، دوسری جانب ترک و افغان اور تیسری سمت چین بھارت اور وسط ایشیا کے ممالک۔ جغرافیائی لحاظ سے قطع نظر فکری اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان کی اساس قائد اعظم اور اقبال کی تعلیمات پر ہے جس میں نہ خالص سیکولرازم ہے نہ خالص فنڈامینٹلزم اور اور اپنی اس فکری اساس کی بنا پر وہ عالم اسلام کو جو بنیاد پرست تحریکوں کی لپیٹ میں ہے، ایک نیا معتدل ماڈل پیش کر سکتا ہے جو ان کی اسلامیات کے لئے بھی باعث تسکین ہو اور مغربیت سے استفادہ کی ضرورت کی بھی تکمیل ہوتی رہے۔ ایک تیسری چیز جو پاکستان کے پاس بہت ہی قیمتی ہے وہ پاکستان کی فوج ہے۔ اس نے یونین جیک کے پرچم تلے عالمی جنگوں میں داد شجاعت دی ہے، آزادی کے بعد ایک منظم سیاسی جماعت کی طرح اس نے ملک پر حکمرانی کی، اس کا نظم و ضبط اور ڈسپلن کی پابندی کا جوہر کمال درجہ کا ہے اور حالیہ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اس فوج نے کمبوڈیا کے جنگلات، صومالیہ کے صحراؤں اور خلیج کے پانیوں اپنے سخت کوش اور سربدوش انداز پر ہر طرف سے تحسین و آفرین حاصل کی ہے اور یہ فوج دنیا کے بہت سے ملکوں میں جو انارکی کا شکار ہو رہے ہیں یا ہونے والے ہیں، امن فوج کے فرائض دینے کے لئے بہترین فوج ہے کیونکہ اس کے اپنے کوئی سیاسی عزائم نہیں اور وہ خالص پیشہ ورانہ انداز میں کام کرے گی۔

امریکہ کو بھارت یقیناً عزیز ہے لیکن پاکستان پر بھی اس کا دل ریجھا ہوا ہے کہ ایسے محل وقوع، ایسے نظری اثاثے اور ایسے فوجی صلاحیت کے حامل ملک

(باقی صفحہ 11 پر)

قاضی صاحب کو یہ فتح مبارک ہو!

نجیب صدیقی

آج کل اخبار میں جناب قاضی حسین احمد صاحب سابق امیر جماعت اسلامی موضوع گفتگو بنے ہوئے ہیں۔ کالم نگار حضرات اپنے اپنے نقطہ نظر سے خامہ فرسائی کر رہے ہیں، بعض حضرات انہیں جمہوریت کا چیمپئن قرار دے رہے ہیں، اور بعض قدرے اختلاف کے ساتھ پھر "سُولی" پر چڑھانے کے لئے "رام بھلی کرے گا" کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ حالانکہ قاضی صاحب کو جمہوریت نے جو چرکے دیئے ہیں ان سے نہ جانے کب تک خون رستا رہے گا۔ یہ قوم کے سرمایہ کا خون ہے، نوجوان صلاحیتوں کا خون ہے، انتخابی سیاست میں دن رات ایک کر دینے والوں کا خون ہے۔ وہ جو بڑے بڑے فلوٹ گھسیٹتے رہے ہیں، بڑی بڑی تصویروں کو سجاتے رہے ہیں، دن رات مائک پر گلے پھاڑتے رہے ہیں ان کا خون ہے۔ یہ بہنے والا خون اس بار بھی رائیگاں گیا ہے اور پینتالیس سال سے رائیگاں جا رہا ہے۔ اس لئے کہ دو راستوں پر ایک ساتھ سفر نہیں کیا جا سکتا۔ "جمہوریت اور اسلامی انقلاب" دو الگ الگ شے ہے یہ ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ ایک کو بہرحال ترک کرنا پڑے گا۔

جمہوریت کا حشر ہمارے ملک میں جس طرح ہو رہا ہے اسے دیکھ کر ایک صحیح العقل آدمی ایسی جمہوریت سے سو بار توبہ کرے گا۔ یہ جمہوریت عوام الناس کی نہیں ہے بلکہ یہ تو وڈیروں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا مشغلہ ہے۔ "یہ گھوڑوں" "لوٹوں" "لفافوں" اور "چمک دمک" کا کھیل ہے۔ یہ کھیل انتشار اور بدامنی کو دعوت دیتا ہے۔ اس کھیل میں تمام انسانی اور اخلاقی قدریں پامال ہوتی ہیں۔ جمہوریت کے اس کھیل سے عشق کرنا "عزت سادات" گنوانے کے مترادف ہے۔

جمہوریت کے عشق میں ہم وہاں تک چلے گئے جہاں اغیار نے انگلیاں اٹھائیں، کیا کیا نہ طعنے دیئے، کیا کیا نہ رسوا کیا۔ وہ جو اپنے تھے وہ بھی ٹوٹ کر دوسرے کیمپ میں چلے گئے۔ پھر بھی ہم اگر یہ کہیں کہ ہمارا سمت سفر درست ہے تو کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟ ۔۔ جمہوریت سے اگر سچا عشق ہو گیا ہے تو اسلامی انقلاب کے نعرے کو خیرباد کہنا پڑے گا اور پوری یکسوئی کے ساتھ اس کے تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔ اس سفر میں جو لوگ ہوں گے ان کے پاس جمہوریت کا "اسکیل" ہو گا نہ کہ اسلامی انقلاب کا۔ جمہوریت کے سفر کے ساتھ اسلامی انقلاب کا "اسکیل" قدم قدم پر مشکلات پیدا کرے گا۔ یہ سب سے بڑی داخلی رکاوٹ ہو گی۔ لہٰذا اس موڑ پر یکسو ہو کر فیصلہ کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ جمہوریت کے دلدادہ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر آپ کو اپنے سمت سفر پر لے جائیں گے اور اسلامی انقلاب کے متوالے اپنی راہ لیں گے۔

اس عظیم "ایکسیڈنٹ" کے بعد جس میں سارے "فلوٹ" ٹوٹ پھوٹ گئے، ساری تصویریں بکھر گئیں، کارکنوں کی بڑی تعداد زخم زخم ہو گئی، اگر سمجھ میں آ گیا ہو کہ یہ راستہ ہمارا راستہ نہیں ہے، اس پر سفر کرنا سعی لاحاصل ہے تو یہی وقت ہے کہ مومنانہ جرات کے ساتھ اپنے رخ کو تبدیل کر لیا جائے۔ اس "تحویل قبلہ" سے نیا عزم سفر ملے گا۔ کارکنوں میں نیا جذبہ پیدا ہو گا، نئے حوصلے اور نئی امنگ کے ساتھ یہ کارواں اپنی صحیح منزل کی طرف رواں دواں ہو جائے گا۔ اس میں اصل شے جرأت رندانہ ہے۔ "لومۃ لائم" کی پرواہ کئے بغیر اٹھ کھڑے ہوں ورنہ تاش کے پتوں کی طرح پھینٹے جاتے رہیں گے اور ہر بار رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

ع "ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں"

ڈاکٹر اسرار احمد، داعئ تحریکِ خلافت کے خطباتِ خلافت

رواں صدی میں آفتاب خلافت غروب ہوا، طلوع بھی ہو گا!

خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام سے پہلے کتنی ہی قیامتیں گزرنے والی ہیں

لاہور کے پہلے خطبۂ خلافت کی تیسری قسط

مرتبہ: نثار احمد ملک

بیسویں صدی عیسوی میں ہی دو عظیم جنگیں ہوئی ہیں۔ جن میں کروڑوں انسان قتل ہوئے۔ کیا تیسری جنگ نہیں ہو سکتی؟ نبی اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں "الملحمہ العظمیٰ" کی خبر دی ہے۔ اسے جنگ عظیم نہیں بلکہ جنگ اعظم کہیں گے، اس لئے کہ "عظمیٰ" اعظم کا مونث ہے۔ حالات بڑی تیزی سے اس طرف جا رہے ہیں۔ دراصل یہ تیسری صلیبی جنگ ہوگی۔ احادیث مبارکہ کے علاوہ اس کا تذکرہ بائبل میں بھی موجود ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کا تیسرا عجوبہ یہ ہے کہ یہودی قوم جو کہ دو ہزار سال سے در در ماری پھر رہی تھی، اسے اس صدی میں گھر ملا۔ اسرائیل وجود میں آیا اور کس شان و شوکت کے ساتھ آیا ہے! ۷۰ء عیسوی سے یہود بے گھر تھے۔ ۷۰ء میں ٹائٹس رومی نے یروشلم پر حملہ کیا تھا۔ ایک لاکھ سے زائد یہودی ایک دن میں قتل ہوئے، ہیکل سلیمانی کو مسمار کیا گیا جو اب تک مسمار پڑا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہماری تاریخ کا دور انتشار ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ یہودی پوری دنیا میں تیرہ، چودہ ملین یعنی ایک کروڑ تیس لاکھ سے زائد نہیں ہیں۔ اس کے برعکس امت مسلمہ میں سے صرف عربوں کو شمار کیا جائے تو بیس پچیس کروڑ ہیں۔ لیکن ان کی جو حقیقت معنوی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ شاید یہود کا یہ تسلط و استیلا اس چراغ کی مانند ہو جو بجھنے سے پہلے بھڑکتا ہے۔ اس کے بعد شاید یہ مغضوب و ملعون قوم تباہ و برباد کر دی جائے۔

اسی طرح اس صدی میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا ہے۔ کیا اسی صدی کے اختتام پر احیاء خلافت نہیں ہو سکتا؟۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یہ فقط شاعری نہیں ہے بلکہ تاریخی حقائق ہیں جو اکثر لوگوں پر منکشف نہیں ہیں۔ جب آٹھ سو برس انتہائی آب و تاب کے ساتھ طلوع رہنے کے بعد ہسپانیہ سے خورشید اسلام غروب ہو رہا تھا۔ عین اسی وقت یورپ کے مشرق میں اسلام کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اسلام کو تو رہنا ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ "انا اخر المرسلین وانتم اخر الامم" میں آخری رسول ہوں اور تم آخری امت ہو۔ یہ امت کسی ایک نسل پر مبنی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو معزول کیا تو اپنے دین کا پرچم ترکوں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ ترک معزول ہو گئے ہیں تو کیا عجب اب یہ پرچم اسلام ہندیوں کے ہاتھوں میں آنے والا ہو! بقول اقبال۔

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

اس لئے کہ یہ منظر تاریخ انسانی پہلے بھی دیکھ چکی ہے کہ۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اور۔

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کوئی پتہ نہیں کہ آفتاب خلافت جو اس صدی کے آغاز میں غروب ہوا، اختتام پر طلوع ہو جائے!

بیسویں صدی عیسوی کے حوالے سے آخری بات یہ ہے کہ جب خلافت کا برائے نام ادارہ بھی اغیار کی سازشوں اور اپنوں کی نادانیوں سے ختم کر دیا گیا تو ردعمل کہاں ہوا؟ صرف۔ اور صرف برصغیر پاک و ہند میں صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ خلافت کا ادارہ تو پورے عالم اسلام کی وحدت کا نشان تھا۔ لہٰذا پورے عالم اسلام میں آنسو بہائے جانے چاہییں تھے۔ لیکن کہیں سے کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا۔ اس ادارے کی بحالی کی تحریک تو صرف اس صنم خانہ ہند میں چلی اور اتنی شدت سے چلی کہ گاندھی کو بھی اس میں شریک ہونا پڑا۔ گاندھی نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ اگر اس وقت مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا تو پھر ان سے کبھی بھی تعاون حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ پورا برصغیر اس نغمہ سے گونج اٹھا کہ۔

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا کہ خلافت کا یہ برائے نام ادارہ اپنوں کی غداری سے منسوخ ہوا۔ بقول اقبال۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ غیروں کی عیاری بھی دیکھ

مصطفیٰ کمال نے اس وقت صیہونیت کے ایجنٹ کا کردار ادا کیا۔ چنانچہ ایک بہت ہی عظیم واقعہ ہے جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کو مالٹا کی اسیری کے دوران پیش آیا۔ مالٹا میں نظربندی کیمپ کا کمانڈنٹ انگریز تھا۔ اس نے حضرت "شیخ الہند" کو قریب سے دیکھا۔ حضرت "شیخ الہند" درویش آدمی تھے لہٰذا وہ عقیدت مند ہو گیا۔ ایک روز حضرت "شیخ الہند" نے اس سے پوچھا کہ آپ لوگ ہماری خلافت کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں، یہ تو ایک مردہ خلافت ہے؟ آپ کو یہ کیا تکلیف دیتی ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ مولانا اتنے بھولے نہ بنیے! آپ بھی جانتے ہیں اور ہمیں بھی معلوم ہے کہ یہ گئی گزری خلافت بھی اتنی طاقتور ہے کہ اگر کہیں دار الخلافہ سے جہاد کا اعلان

ہو جائے تو مشرق سے مغرب تک لاکھوں مسلمان سر سے کفن باندھ کر نکل آئیں گے۔ ۱۹۲۴ء سے لے کر اب ۱۹۹۴ء تک ستر برس بیت گئے لیکن پوری دنیا میں خلافت کے برائے نام ادارے کا بھی وجود نہیں ہے امت مسلمہ کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔

جیسا کہ اس سے قبل بھی کہا گیا ہے کہ نظام خلافت ایک مرتبہ پھر برپا ہو کر رہے گا۔ لیکن اب جب بھی یہ خلافت قائم ہو گی تو یہ دنیا کے کسی ایک خطے پر محدود نہیں ہو گی بلکہ عالمی خلافت ہو گی۔ اس لئے کہ صراحت کے ساتھ حدیث نبوی میں اس کی پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ حدیث کے علاوہ خود قرآن حکیم میں اس کا صغری کبری موجود ہے۔ قرآن حکیم میں یہ آیت مقدسہ " ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ " تین مرتبہ ایک شوشے کے فرق کے بغیر وارد ہوئی ہے۔ گویا یہ صغری ہے۔ قرآن حکیم میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ بات پانچ مرتبہ آئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پوری عالم انسانی کے لئے ہے اس بات کو گویا کبری بنا لیجئے۔ چنانچہ سورۂ سباء کی آیت نمبر ۳۸ ہے۔ " وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا " یعنی اے نبی ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر پوری نوع انسانی کے لئے بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

بعثت محمدی ؐ کا مقصد غلبہ دین ہے اور اس بعثت کی وسعت پورے عالم انسانی تک ہے۔ اب ان دونوں باتوں کو جوڑ کر نتیجہ نکال لیجئے کیا بعثت محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام اپنے مقصد کے اعتبار سے شرمندہ تعمیل اور شرمندہ تکمیل رہ جائے گی؟ لازماً مقصد پورا ہو گا۔ یہ کب پورا ہو گا؟ بقول اقبال۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اور۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

گویا اس وقت " یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا " کی تصویر ہمارے سامنے آ جائے گی۔

اب میں ان پیشگوئیوں کا حوالہ دوں گا جو احادیث مبارکہ میں آئی ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت ہے جس کے روای حضرت ثوبانؓ ہیں۔ "حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے میرے لئے کل زمین کو سکیٹر دیا یا لپیٹ دیا۔ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لئے اور سارے مغرب بھی دیکھ لئے اور سن لو کہ میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے سکیٹر کر یا لپیٹ کر دکھائے گئے۔" ایک دوسری حدیث جو مسند احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے اور اس کے راوی مقداد بن الاسودؓ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ؐ نے ارشاد فرمایا کہ " لایبقی علی ظھر الارض بیت وبر ولا مدر الا ادخلھا اللہ کلمۃ الاسلام " کہ زمین کی پشت پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہے گا نہ کوئی اونٹ کے بالوں کے کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ رہے گا جس میں اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے۔" اگرچہ اس داخلے کی شکلیں دو ہوں گی۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں " بعز عزیز و ذل ذلیل " یہ داخلہ صاحب عزت کی عزت کے ساتھ یا کسی کی مغلوبیت کے ساتھ ہو گا۔ چنانچہ حضور ؐ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں " اما یعزھم اللہ " یا تو اللہ تعالی گھر والوں کو' خیمے والوں کو عزت دے گا اور " فیجعلھم من اھلھا " انہیں اسلام کے اہل والوں میں سے بنا دے اور وہ اسلام کو قبول کر لیں۔ گویا اس صورت میں اسلام کا داخلہ گھر والے کی عزت کے ساتھ ہو گا۔ سورۃ المنافقون میں یہ آیت مبارکہ موجود ہے کہ " وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقون لایعلمون " یعنی عزت تو اللہ کے لئے یا اللہ کے رسول کے لئے یا اہل ایمان کے لئے ہے۔ مذکورہ حدیث کے الفاظ " وذل ذلیل " کی شرح حضور ﷺ نے یہ فرمائی کہ دوسری صورت اس داخلے کی یہ ہو گی کہ اللہ اس گھر والوں کو مغلوب کر دے گا تاکہ وہ اسلام کی تابعداری پر مجبور ہو جائیں۔

یہی مضمون سورۂ توبہ میں بھی آیا ہے۔ سورۂ توبہ میں الفاظ آئے ہیں کہ اہل کتاب سے جنگ جاری رکھو " حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون " یہاں تک کے اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں اور چھوٹے ہو کر رہیں۔ بے شک وہ یہودی اور نصاری ہی رہیں لیکن چھوٹے ہو کر رہنا ہو گا۔ اسلام کی بالادستی قبول کرنی ہو گی۔ جدید دستوری الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "Law of the Land" اسلام کا ہو گا۔ جہاں تک تعلق ہے "personal law" کا تو ان میں انہیں مذہبی آزادی دی جائے گی۔ متذکرہ بالا حدیث کے راوی حضرت مقداد بن الاسودؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور نے یہ پیشین گوئی سنائی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ " فقلت لیکون الدین کلہ للہ " تب وہ بات ہو گی کہ دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے گا۔

گویا احادیث مبارکہ کی پیشین گوئیوں کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ اسی بات کو میں دو اور حوالوں سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات کا تعلق فلسفہ ارتقاء سے ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب Idealogy of the future میں فلسفہ ارتقاء کے مختلف مراحل بیان کئے ہیں۔ ایک فلسفہ ارتقاء وہ ہے جسے ڈارون نے بیان کیا ہے۔ ڈارون نے ایک قسم کے فلسفہ کا ذکر کیا ہے۔ حیاتیات کے میدان میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے اگرچہ عام لوگوں میں بہت مقبول ہے۔ اس ڈارون کے فلسفہ ارتقاء کو ذہن سے نکال دیجئے۔ جہاں تک تعلق ہے نفس ارتقاء کا تو اس کو سب سے پہلے بیان کرنے والے مسلمان فلسفی ابن مسکویہ ہیں۔ اس فلسفہ کو بعد میں مولانا روم نے بھی بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم ارتقاء کا پہلا مرحلہ "Physical Evolution" بیان کرتے ہیں۔ کائنات کی تخلیق کے جدید نظریات کے مطابق ایک "stage" وہ ہے جس سے پھر "chemical compounds" بنے ہیں۔ ان میں جب "Organic compounds" وجود میں آ گئے کہ جن میں حیات کی صلاحیت تھی تو گویا "Physical Evolution" اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ اب حیات کا آغاز ہوا تو Second phase ہے "Biological Evolution" یعنی حیاتیاتی ارتقاء۔ ڈارون نے صرف اس سے بحث کی ہے۔ انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی یہ ارتقاء اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ اس سے آگے حیاتیاتی ارتقاء کی کوئی منزل نہیں ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے جس ایک مرحلہ ارتقاء کا ذکر کیا ہے میں اسے دو میں تقسیم کرتا ہوں۔ وہ مرحلہ ہے۔

"Psychological and Intelectual Evolution"

اب انسان کا ذہنی و نفسیاتی ارتقاء شروع ہوا۔ میرے نزدیک اس کا ذہنی عروج حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین اس کو نبی اکرم ﷺ تک لے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین نسبتیں ہیں یعنی خلیل اللہ' امام الناس اور ابوالانبیاء۔ ان کے بعد سارے انبیاء انہی کی نسل میں سے ہوئے ہیں چاہے وہ بنی اسرائیل ہو چاہے بنی اسمٰعیل یا بنی مدین ہو۔ ان تین نسبتوں میں سے بھی "خلیل اللہ" کی نسبت بہت اہم ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا کہ "لو کنت متخذا خلیلا لتخذت ابابکر خلیلا" اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا یعنی انسانوں میں سے تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا۔ اس حدیث سے دو عظیم حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ انبیاء کے علاوہ انسانوں میں سے عظیم ترین انسان حضرت ابوبکرؓ ہیں دوسری یہ کہ وہ بھی اس مقام پر نہیں جس کو خلیل کہا جاسکے۔ یہ ہے وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ فرمایا "و تخذ اللہ ابراھیم خلیلا" یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنالیا۔

دراصل محمد رسول اللہ ﷺ پر تکمیل رسالت ہوئی ہے۔ آپ نے ایک معاشرے کو وہاں تک بلند کردیا جہاں تک کہ اللہ نے آپ کو رفعت عطا فرمائی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک' حضرت ھود علیہ اسلام کی قوم ہلاک' حضرت شعیب کی قوم ہلاک لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے "up-lift" کیا ہے۔ ایک معاشرہ قائم کیا ہے۔ یہی ہے وہ کمال جو محمد رسول اللہ نے کیا ہے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی!

اب اس سے اگلی بات وہ ہے جس کو ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے بیان کیا ہے۔ اب ارتقاء کا صرف ایک امکانی phase ہے۔ وہ یہ کہ

"Globalization of that revolution of Muhammad"

کہ عمرانی ارتقاء اس انتہا کو پہنچ جائے جس کی جھلک محمد رسول اللہ نے دکھائی تھی۔ نوع انسانی کی اجتماعی یاداشت میں جس کو ایک خواب کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے جو معاشرہ قائم کیا اسی کی بنیاد پر ۱۹۳۷ء میں گاندھی نے ہریجن میں اپنے مقالے میں کانگرسی وزراء کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں آپ لوگوں کے سامنے ابوبکرو عمر کی مثال پیش کرتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے وہ نظام قائم کیا وہاں تک تو ابھی انسانی فکر بھی نہیں پہنچ سکی۔ اقبال نے صحیح تعبیر کی ہے۔۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰ او را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ست

انسانیت کے دامن میں جو بھی خیر اور بھلائی ہے وہ نور محمد سے مستعار لی گئی ہے یا انسانیت اس طرف جارہی ہے جہاں محمد ﷺ نے چودہ سو برس پہلے پہنچایا تھا۔ یہ ارتقاء کی آخری منزل ہے۔ لہٰذا فلسفہ ارتقاء کے حوالے سے بھی نظام خلافت کا احیاء لازمی ہے۔

اب ہم ایک اور اعتبار سے غور کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں نئے عالمی نظام کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔ خلیج کی جنگ کے بعد سے اس کا شور کچھ زیادہ ہوگیا ہے۔ صنعتی و سائنسی ترقی کی وجہ سے فاصلے معدوم ہو کر رہ گئے ہیں۔ پوری دنیا نے ایک شہر کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اسی وجہ سے سوچا جاتا رہا ہے کہ کوئی نظام بھی تو ایک ہونا چاہئے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد "League of Nations" وجود میں آئی۔ لیکن اس نظام کے لئے انسان کے پاس کوئی فکری بنیاد نہیں ہے۔ لہٰذا وہ ناکام ہوگئی۔

اقبال نے تبصرہ کیا تھا۔

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد نہ میرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیران کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے

انجمن اقوام کی ناکامی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک اور ادارہ

"United Nations Organization"

کے نام سے وجود میں آیا۔ یہ بھی عالمی نظام کے قیام کی ایک کوشش ہے۔ یہ ادارہ بھی ناکام ہوچکا ہے۔ اس کی حیثیت امریکہ کے گھر کی لونڈی کی ہے۔ اب "New Word order" آیا ہے۔ یہ بھی اس ارتقاء کی طرف پیش قدمی ہے۔ اگرچہ یہ نیا عالمی نظام ابھی تک پوری طرح اپنی جڑیں نہیں پکڑ سکا تاہم عالم اسلام پورا کا پورا اس کی گرفت میں ہے۔ البتہ چائنا' جاپان اور شمالی کوریا کو زیر نگیں کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

یہ "New world Order" بھی درحقیقت "Jew world order" ہے۔ یہ ۱۸۹۷ء کے "پروٹوکولز" اور اس کا جو نقشہ "Elders of the zionists" نے بیٹھ کر بنایا تھا وہ تدریجاً روبعمل ہو رہا ہے۔ ۱۹۱۷ء کا "اعلان بالفور" ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کا قیام اور ۱۹۶۷ء کی جنگ اور فتح۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل تمام معاملات پر گفتگو کرنے کے لئے تیار ہے۔ جریکو میں اپنی خودمختار حکومت بنالو' غزہ میں بھی "Self Rule" لے لو' سب کچھ کرنے کو تیار ہے لیکن بات نہیں ہوگی تو یروشلم کے بارے میں' وہ ہمارا اٹوٹ انگ ہے! میرے نزدیک تو شائد دو یا تین سال کی بات ہے کہ مسجد اقصیٰ گرائی جائے گی۔ وہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ تقریباً دو ہزار سال سے ان کا "کعبہ" گویا کہ گرا پڑا ہے۔ صرف ایک بنیاد ایک طرف کچھ کھڑی ہے۔ اسرائیلی جاتے ہیں اور رو دھو کر واپس آجاتے ہیں۔ وہاں جا کر اسرائیلی دیوار کے ساتھ ٹکریں مارتے ہیں۔ اگرچہ یہ ٹکریں "symbolic" ہی ہوتی ہیں تاہم "Movement" تو وہی بناتے ہیں جیسے کہ ٹکریں مار رہے ہوں۔ اب وہ اسے تعمیر کریں گے۔ مسجد اقصیٰ گرانا اب ان کے لئے مشکل نہیں رہا۔ اس لئے کہ بابری مسجد گرا کر انہوں نے مسلمانوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیا ہے کہ ان میں کوئی جان نہیں ہے۔ ع غیرت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے۔ عالم عرب کے کچھ جوشیلے نوجوان احتجاج کے لئے کھڑے ہوں گے۔ انہیں بھوننے کے لئے اسرائیل کو گولیاں ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لئے حسنی مبارک موجود ہے شاہ فہد صاحب ہیں۔ اور جو بھی الجزائر اور مراکو کے بادشاہ ہیں۔ اس "List" میں پی ایل او کے صدر یاسر عرفات کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکال رہا ہوں کہ "New World Order" جو حقیقت میں "Jew World Order" ہے ایک دفعہ قائم ہوگا۔ لیکن قائم ہونے کے بعد اسے "just world order of Islam" میں بدلنا ایک قدم ہوگا۔

اس بات کو ایک تمثیل کے پیرائے میں یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کریں سو آدمی ہیں جن کو دعوت و تبلیغ کے ذریعے مسلمان بنانا ہے۔ اب ظاہربات ہے ان میں سے ہر ایک کی الگ افتاد طبع اور ذہنی سطح ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ دلائل سے قائل کرنا ہوگا اور ان کے مختلف النوع اعتراضات کا جواب دینا ہوگا۔ اس طرح آپ کا کام سوگنا ہے۔ لیکن اگر ان کو کسی طرح ایک کردیا جائے تو اب آپ کا کام ۱/۱۰۰ رہ گیا

ہے۔ ایک کو convert کر لیجئے سو convert ہو جائیں گے۔ اس اعتبار سے دنیا عالمی نظام کی طرف جا رہی ہے۔ اب ایک مرحلہ اس کے "Shift over" کا ہوگا۔ اس طرح حضور ﷺ کی دی ہوئی خبر پوری ہوگی کہ وہ "عالمی نظام" اسلام کا ہوگا۔ اس نظام کو ہی حضور نے "خلافت منہاج النبوۃ" کا نام دیا ہے۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ بہت ہی خوش آئند ہے۔ اللہ کا دین پورے کرۂ ارضی پر غالب ہوگا۔ لیکن اس غلبہ دین سے قبل کیا کچھ ہونا ہے یہ ایک دردناک باب ہے۔ ع دیکھئے کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک.... اور

اور کچھ روز فضاؤں سے لہو برسے گا
اور غم ناک یہ تاریک اندھیرے ہوں گے

خلافت علی منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہونے سے قبل کیا کچھ ہونا ہے اس کی خبریں بھی ہمیں نبی اکرم ﷺ نے دی ہیں۔ افسوس کہ احادیث کی طرف ہمارا رجحان ہے ہی نہیں۔ یہ معاملہ عوام کا ہی نہیں علماء کا بھی ہے۔ متعدد علماء نے مجھ سے کہا ہے کہ یہ جو احادیث کتب احادیث کے آخر میں "کتاب الفتن"، "کتاب الملاحم" اور "علامات الساعۃ" کے عنوان سے آتی ہیں یہ ہم پڑھتے ہی نہیں ہیں۔ علماء کا سارا زور احادیث کے فقہی مباحث پر صرف ہو جاتا ہے۔ یہ تمام چیزیں احادیث صحیحہ اور متواترہ میں موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ماعلیہ نے نزول مسیح کی جو توجیح کی ہے اور پھر خود ہی مسیح بن بیٹھا، اس سے عام مسلمان کہتے ہیں کہ ان باتوں کو چھوڑو، ان میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں جو نبی اکرمؐ نے فرمائی ہیں بہت اہم ہیں۔ ان سے استغنا برتنا محمد رسول اللہ کی توہین ہے۔ آنے والا وقت مغربی سامراج کی غلامی کے دور سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔

میں اپنی بات کو اگر ایک جملہ میں بیان کروں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ عالمی نظام خلافت کے قیام سے قبل دو مسلمان امتوں کو سزاؤں کی آخری قسطیں ہیں جو ابھی ان کو ملنے والی ہیں۔ اب اس بات کی تھوڑی سی شرح ہے جو مجھے کرنی ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ دو مسلمان امتیں کون سی ہیں۔ سورۂ نور کی آیت کا حوالہ اس سے پہلے آچکا ہے۔ فرمایا **"لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم"** گویا پہلے بھی ایک امت مسلمہ تھی۔ غالب کا بڑا پیارا شعر ہے۔۔

ریختہ کے ایک تمہی استاد نہیں ہو غالب
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا۔

اگر میری بات کا غلط مفہوم نہ لیا جائے تو کہوں گا کہ بعض اعتبارات سے سابقہ امت مسلمہ ہم سے افضل تھی بلکہ اسے فضیلت مطلقہ حاصل تھی۔ قرآن خود کہتا ہے **"تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض"** یعنی حضور نبی اکرم ﷺ پر بھی کسی اور نبی کو جزوی فضیلت کسی پہلو سے ہو سکتی ہے۔ لیکن کلی اور مطلق فضیلت حضور ﷺ کو حاصل ہے۔ سابقہ امت مسلمہ کے بارے میں قرآن میں دو جگہ الفاظ آئے ہیں **"یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العلمین"** یعنی اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے انعام و اکرام کو جو تم پر ہوا۔ میں نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ ہمارے لئے جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں **"وکذلک جعلنکم امة وسطا"** دونوں کے لئے جو الفاظ آئے ہیں ان کا فرق اور تیور پہچانیئے!

اس کے علاوہ یہ وہ امت ہے جس میں چودہ سو برس تک نبوت کا سلسلہ ٹوٹا ہی نہیں ہے۔ چودہ سو قبل مسیح سے دو رسولوں یعنی موسیٰ اور ہارون علیہ السلام سے بات شروع ہو رہی ہے جب یہ سنہری زنجیر ختم ہوتی ہے تب بھی دو ہی نبی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام موجود ہیں اس سنہری زنجیر کے درمیان جب بھی کوئی نبی فوت ہوا تو کوئی نبی کا جانشین ہوتا تھا۔ اس سابقہ امت کی تاریخ چونتیس سو برس پر محیط ہے۔ چودہ سو قبل مسیح میں تورات ملی تھی۔ بنی اسرائیل تو پہلے بھی موجود تھے۔ حضرت یوسفؑ نبی تھے۔ حضرت موسیٰ کے درمیان کسی نبی کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تو موجود تھے۔ تورات کے ملنے کے بعد اسے امت کی حیثیت حاصل ہوئی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے **"واتینا موسی الکتاب و جعلنه هدی لبنی اسرائیل الا تتخذوا من دونی وکیلا"** گویا یہاں سے امت کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اس امت کو صرف ایک کتاب نہیں دی گئی بلکہ کتنی ہی اور کتابیں دی گئیں۔ دو کتابیں تو وہ ہیں جن پر ہمارا ایمان ہے یعنی زبور اور انجیل۔ اس کے علاوہ بہت سے صحیفے عطا کئے گئے۔

یہ ہے وہ سابقہ امت مسلمہ جس کی وضاحت کے لئے قرآن حکیم میں مذکورہ بالا آیت دو مقام پر آئی ہے۔ بالکل اسی طرح دو ہی دفعہ یہ مضمون بھی آیا ہے کہ **"ضربت علیهم الذلة والمسکنة وباء و بغضب من الله"** یعنی ان پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی اور اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ ایک طرف وہ فضیلت ہے اور دوسری طرف وہی قوم مغضوب و ملعون قرار پا رہی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے الفاظ **"مغضوب علیهم"** کی تفسیر پر سب متفق ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں اور **"والضالین"** سے مراد نصاریٰ ہیں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے **"ولعن الذین کفروا اهلی لسان داود و عیسی ابن مریم"**

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کیوں ہوتا ہے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے کچھ قوانین ہیں جن کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قانون عذاب کے ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ دنیا افراد کے لئے دارالعذاب نہیں ہے۔ یہ دنیا قوموں کے لئے دارالعذاب ہے، افراد کے لئے عذاب و ثواب کا فیصلہ آخرت میں ہوگا۔ آخرت میں ہر شخص انفرادی حیثیت میں آئے گا۔ بقول علامہ اقبال۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

قوموں پر دو طرح کے عذاب آتے ہیں۔ ایک بڑا عذاب جسے قرآن "عذاب الاکبر" کہتا ہے۔ اسے عذاب استیصال بھی کہہ سکتے ہیں۔ قوموں کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کہ تھے ہی نہیں۔ یہ عذاب صرف ان قوموں پر آتا ہے جن کی طرف کسی رسول کو مبعوث کیا گیا ہو اور اس قوم نے بحیثیت مجموعی رسول کا انکار کیا ہو۔ قوم نوح، قوم صالح، قوم ہود، قوم شعیب، قوم لوط اور آل فرعون، یہ چھ مثالیں قرآن حکیم میں پندرہ مرتبہ آئی ہیں۔

اس سے کم درجے میں عذاب آتا ہے مسلمان امت پر۔ مسلمان امت کا مطلب کیا ہے؟ وہ زمین پر اللہ کی نمائندہ ہے، حامل کتاب الٰہی ہے اور علوم نبوت کی وارث ہے۔ اگر وہ اپنے عمل سے الٹی نمائندگی شروع کر دے تو اس سے بڑا مجرم کوئی نہیں۔ باقی نوع انسانی کے جرائم کی ذمہ داری بھی اس پر آئے گی۔ اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانا تمہارے ذمہ ہے۔ اگر تم پہنچا دیتے اور وہ نہ مانتے تو ایسی صورت میں وہ مجرم ہوتے اگر تم نے نہیں پہنچایا تو اب تم مجرم ہو۔ اللہ کی زمین پر اس کی نمائندگی کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور عمل اس کے برعکس ہے تو اس سے بڑا جرم کوئی نہیں ہے۔ یہ عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر آیا اور جو امت محمد پر آیا۔

یہاں ایک عظیم حدیث مبارکہ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ یہ حدیث بہت بڑے خزانے کے لئے کلید ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "میری امت پر بھی وہ سارے حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے۔ بالکل ایسے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے" اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے فصاحت و بلاغت کی انتہا کردی ہے۔ جوتی کا جوڑا اگر رکھا ہو' اگر اسے اوپر سے دیکھا جائے تو فرق نظر آئے گا لیکن اگر ان کے تلوے جوڑ دیئے جائیں تو بال برابر فرق نہیں رہے گا۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں جب میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا تو یوں معلوم ہوا جیسے اس حدیث کی حیثیت کلید کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک بنی اسرائیل پر دو عروج کے دور آچکے تھے اور دو ہی عذاب کے دور بھی بیت چکے تھے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں ان دو ادوار کا ذکر ہے۔ فرمایا "**وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا**" پہلے آشوریوں کے ہاتھوں اسرائیل کی مملکت ختم ہوئی اس کے بعد کلدانیوں کے ہاتھوں تباہی آئی۔ چھ سو قبل مسیح نبوکٹ نذر کے ہاتھوں چھ لاکھ انسان یروشلم میں قتل ہوئے اور چھ لاکھ کو وہ قیدی بنا کر لے گیا۔ یروشلم میں ایک متنفس نہیں چھوڑا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر کے ہموار کردیا اور اس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں۔ اس کے بعد حضرت عزیرؑ نے دعوت و منادی توبہ دی جس پر جاگے۔ اللہ کے حضور توبہ کی تب سائرس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے بابل کی اسیری سے نجات دلائی۔ اس کے بعد یروشلم آئے اور ہیکل سلیمانی' جو ان کا کعبہ تھا' کو تعمیر کیا۔ یہ ان کا دوسرا دور عروج ہے۔ لیکن پھر وہی ۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

پھر وہی طاؤس و رباب' وہی عیاشیاں اور بد معاشیاں' پہلے کی طرح کتاب اللہ کو پیٹھ دکھائی۔ لہٰذا پھر عذاب کا کوڑا برسا۔ یہ عذاب کا کوڑا پہلے یونانیوں کے ہاتھوں اور پھر رومیوں کے ہاتھوں برسا۔ پہلے دور میں سزا اشوریوں کے ہاتھوں ہوئی اور وہ شمال سے آئے تھے۔ پھر مشرق سے کلدانی آئے۔ نبوکٹ نذر بابل کا بادشاہ تھا۔ دوسرے دور میں پہلے عذاب کے کوڑے یونانیوں کے ہاتھوں برسے اور پھر رومیوں کے ہاتھوں۔

۷۰ء میں ٹائٹس رومی نے جو حملہ کیا اس میں ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی ایک دن میں قتل کئے اور یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ اس صدی میں آکر انہیں گھر نصیب ہوا ہے۔ یروشلم میں انہیں داخل ہونے کی اجازت کہیں ملی ہے تو وہ بھی تب جب حضرت عمرؓ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا۔ آپ نے اسے "open city" قرار دیا ورنہ پورے ساڑھے پانچ سو برس تک کوئی یہودی اپنے مقدس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ تاریخ اس وقت تک کی ہے جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سورۂ آل عمران کے الفاظ ہیں "رسول الی بنی اسرائیل" یعنی بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول۔ انہوں نے حضرت مسیحؑ کی دعوت کو رد کر دیا اور اپنی طرف سے سولی پر چڑھا دیا۔ یہ دوسرا معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپؑ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا۔ لہٰذا اس دن سے یہ قوم عذاب استیصال کی مستحق ہو چکی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل ہی کے دوسرے رکوع میں آیا ہے کہ "**وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**" یعنی ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج دیں۔ لیکن ایک خاص سبب سے اس قوم پر اس طرح کے عذاب کی تنفیذ نہیں ہوئی اور ابھی تک نہیں ہوئی۔ قرآن حکیم نے حضور ﷺ کی بعثت کی شکل میں "Mercy Appeal" کا ایک موقع دیا۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہی آتا ہے کہ "**عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جهنم للکفرین حصیرا۔ ان هذا القران یهدی للتی هی اقوم ویبشر المومنین الذین یعملون الصالحت ان لهم اجرا کبیرا**" اب بھی دامن محمدی ﷺ میں آجاؤ' قرآن پر ایمان لے آؤ جو ہر معاملے میں سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب ہے' ہم اب بھی تم پر رحم فرمانے کے لئے تیار ہیں۔

یہود نے اس "Mercy Appeal" کا موقع گنوا دیا۔ لیکن اس کے باوجود "عذاب الاکبر" کی "Execution" نہیں ہوئی۔ کیوں نہیں ہوئی؟ یہ اس داستان کا تلخ باب ہے۔ اس لئے کہ پہلے موجودہ مسلمان امت کا جو افضل حصہ ہے اس کی پٹائی اس مغضوب و ملعون قوم کے ہاتھو کروائی ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ: تجزیہ

سے نہ بے تعلقی مناسب ہے نہ اس کی ٹوٹ پھوٹ گوارا کی جانی چاہئے۔ جناب اسلم بیگ نے صحیح کہا ہے کہ پاکستان کا استحکام امریکہ کو اپنے مفادات کی وجہ سے عزیز ہو گیا ہے اور اس نئے پس منظر میں ہمارے طاقت کے سرچشمے امریکہ سے کوئی نیا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی خواہش اور کوشش کو ضرور منطقی انجام تک پہنچائیں۔ اگر ملک کے لئے کوئی اچھی بات بنتی ہے تو اور کیا چاہئے' نہیں بنتی ہے تو پھر بے نظیر صاحبہ کا کردار بھی ختم ہو جائے گا اور انہیں لانے والے خود ہی انہیں نکالنے کا بندوبست کریں گے مگر ابھی نواز شریف انتظار کریں' جلد بازی سے کام نہ لیں' ہولے ہولے قدم اٹھائیں لانگ یا فاسٹ مارچ کا نہ سوچیں اور انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا ہو گا جو سیاسی الٹ پھیر ہوا ہے اس کا مثبت یا منفی نتیجہ ۹۴ء میں ہی سامنے آجائے گا۔ ابھی انتظار کا وقت ہے' طبل جنگ بجانے کا وقت نہیں۔

اگر ایسا کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے جس میں ملک کا مفاد ملیامیٹ ہوتا ہے تو فوجی سول بیوروکریسی ہو' تاجر صنعت کار ہوں' ادیب' صحافی' سرمایہ دار یا عام شہری' کوئی بھی ایسے نتیجہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو گا اور سب نواز شریف کی کال پر لبیک کہیں گے مگر ابھی سے یہ فرض کرلینا بھی درست نہیں کہ نتیجہ ضرور ہمارے قومی وجود کے خلاف ہو گا۔ دنیا کے حالات بہت بدل گئے ہیں' امریکہ بھارت پاکستان سب کو بدلنا ہے اس لئے کوشش کر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس ریجن میں اور اس برصغیر میں امن و مفاہمت کے حالات ہوں اور نوبت جنگ کی نہ آئے کیونکہ اب جنگ ہوئی تو وہ ایٹمی جنگ ہو گی۔ OO

O

الیکشن' ممبری' کرسی' صدارات
بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

——— اقبال

O

نہی عن المنکر باللسان کی ایک اور مثال

فحش اور عریاں عید کارڈوں کی وبا کے خلاف مظاہرہ

یہ خام خیالی ہے کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا

وقائع نگار

وطن عزیز میں عوام الناس کا اسلام کے ساتھ تعلق کتنا گہرا ہے اس کو دیکھنا، محسوس کرنا اور پرکھنا کوئی مشکل نہیں رہا۔ اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ملک خداداد پاکستان کس سمت جارہا ہے تو کسی ویڈیو کی دکان پر چلے جائیں، وہاں ننگے لڑکیوں کے نیم عریاں پوسٹر دیکھیں اور خریدنے والوں کی کثرت کا بھی اندازہ لگائیں! اگر یہاں بھی آپ معاشرے کے رخ کا پورا اندازہ نہیں کر سکے تو کسی شاپنگ سینٹر پر چند لمحات کے لئے چلے جائیں! یہاں آپ کو وہ سب کچھ جیتا جاگتا نظر آئے گا جو کچھ آپ نے چند لمحات پہلے صرف تصویروں کی صورت میں دیکھا تھا! کسی سینما ہال کے باہر لگی ہوئی قد آدم عریاں تصویریں دیکھئے اور معاشرہ کی اسلام پسندی کا مشاہدہ کیجئے۔ اگر اب بھی آپ کو کچھ بہتری کی توقع ہے تو ایک ایک کرکے تمام روزنامے دیکھتے جائیے۔ کس طرح ٹی وی اور فلمی اداکاراؤں کی عریاں تصویریں "ثقافت" کے نام پر آپ کے گھروں میں دھکیلی جارہی ہیں۔

یہ ہے اس ملک عزیز کی اصل صورت جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ آنے والے ہر لمحہ یہ تباہی کے گڑھے کی طرف تیزی سے پیش قدمی کررہا ہے۔ سود، فحاشی، جس کا منطقی نتیجہ جنسی بے راہروی نکلتا ہے اور منشیات یہ وہ ناسور ہیں جو اس معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ میڈیا خواہ الیکٹرانک ہو یا پریس اور خواہ وہ سرکاری ہو یا پرائیویٹ فحاشی و عریانی کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں ہے۔

تنظیم اسلامی پاکستان مختلف مواقع پر مسلمانان پاکستان کو اس انجام بد سے آگاہ کرنے میں کوشاں رہتی ہیں۔ فحاشی و عریانی کے خلاف تنظیم اسلامی و تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام اکثر و بیشتر خاموش اور پرامن مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایسا کام نہیں کہ جسے ہفتہ "نہی عن المنکر" مناکر اور باقی سال "سیاست کاری" کی نظر کرکے کیا جاسکے بلکہ اس کام کو مسلسل ایک تحریک کی صورت میں کرنے کی ضرورت ہے۔

رمضان المبارک کے مقدس و مبارک مہینہ میں فحش عید کارڈوں کا کاروبار اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ ایسے عید کارڈ بازار میں عام فروخت ہوتے ہیں جن پر عریاں تصاویر ہوتی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانان پاکستان اس کاروبار کی حوصلہ شکنی کے بجائے ایسے کارڈ خرید کر اس گھناؤنے و مکروہ کاروبار کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ۱۹ فروری بروز ہفتہ تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام فحش عید کارڈوں کے خلاف مظاہرہ ہوا۔ یہ خاموش مظاہرہ مال روڈ پر ہونا تھا لیکن اسی ماہ پولیس اور تاجروں کی تنظیموں کے درمیان ایک احتجاجی مظاہرے کے دوران جو ایک ناروا اور تلخ واقعہ ہوچکا تھا اس کے پیش نظر انتظامیہ نے اجازت نہ دی۔ لہٰذا متبادل روٹ اختیار کرنا پڑا۔

یہ مظاہرہ ناصر باغ سے شروع ہونا تھا۔ لہٰذا رفقاء تنظیم اسلامی اور معاونین تحریک خلافت مقررہ وقت پر ناصر باغ پہنچنا شروع ہوگئے۔ اس مظاہرے میں ساڑھے تین سو سے زائد رفقاء تنظیم و معاونین تحریک خلافت نے شرکت کی۔ مظاہرے کی قیادت تنظیم کے ناظم حلقہ لاہور جناب عبدالرزاق کررہے تھے۔ ان کے ساتھ دوسرے قائدین میں جناب قمر سعید قریشی امیر تنظیم اسلامی لاہور جنوبی اور جناب مرزا ایوب بیگ امیر تنظیم اسلامی لاہور وسطی بھی موجود تھے۔

مظاہرے کا آغاز ناصر باغ کے مشرقی گیٹ سے ہوا۔ مظاہرین گورنمنٹ کالج سے ہوتے ہوئے لوئر مال سے اردو بازار کی طرف مڑ گئے۔ مظاہرین دو

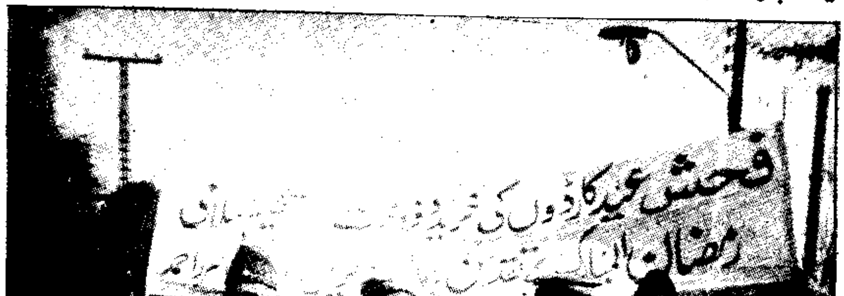

مظاہرے کے جلوس کا ہراول دستہ لاہور کی تنظیموں کی مقامی قیادت پر مشتمل تھا۔ دائیں سے بائیں جناب عبدالرزاق ناظم حلقہ، جناب اشرف وصی امیر لاہور شرقی ۲، مرزا ایوب بیگ امیر لاہور وسطی اور جناب قمر سعید قریشی امیر لاہور جنوبی ہیں۔

جناب اشرف وصی کا خطاب: یہاں جلوس کے گرد سامعین و ناظرین کا ایک ہجوم جمع ہو گیا تھا

خاموش مظاہرے اور جلوس کے چند مناظر

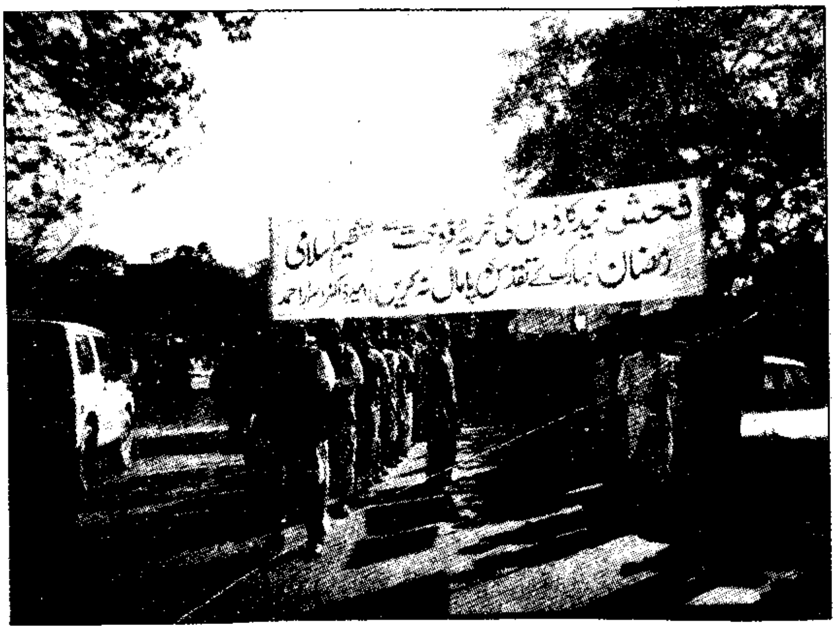

متوازی قطاروں میں انتہائی نظم و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظریں جھکائے اور ورد کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ مظاہرین کے ہاتھ میں بینرز اور ٹی بورڈ تھے جن پر مختلف عبارتیں لکھی ہوئی تھیں جو مسلمانان پاکستان کو دعوت فکر و عمل پر ابھار رہی تھیں۔ چند ایک عبارتیں یہ تھیں "اسلام شرم و حیا کا درس دیتا ہے' فحاشی اور بے حیائی سے بچاتا ہے' فحاشی اور بے حیائی کا چولی دامن کا ساتھ ہے' فحش عید کارڈ چھاپنا' فروخت کرنا اور استعمال کرنا بند کرو" وغیرہ وغیرہ۔

مظاہرین کے آگے ایک سوزوکی تھی جس پر لاؤڈ سپیکر نصب تھے اور ان کی مدد سے تنظیم اسلامی کی دعوت کا افشاء ہو رہا تھا۔ فحاشی و عریانی کے انجام بد سے آگاہ کیا جا رہا تھا۔ اعلانات کی ذمہ داری محترم پروفیسر فیاض حکیم صاحب' طارق جاوید صاحب اور جناب شیخ نفیس صاحب سرانجام دے رہے تھے۔ کچھ رفقاء ایک ہینڈ بل بھی تقسیم کر رہے تھے جس کا موضوع بھی یہی تھا کہ وطن عزیز کو تباہی کی طرف جانے سے بچانے کی فکر کی جائے۔ اس ہینڈ بل سے ایک اقتباس دیا جا رہا ہے۔

"برادران اسلام خدارا ذرا سوچئے تو سہی اسلام کے نام پر ملک حاصل کر کے اس میں اس طرح کی بے حیائی کو فروغ دینا ایک ناقابل معافی جرم نہیں؟ کیا ہم اس طرز عمل سے غضب الٰہی کو دعوت نہیں دے رہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے عید کارڈ جن پر عریاں تصویریں بنی ہوئی ہیں انہیں فوری طور پر ضبط کرے اور ایسے غیر ذمہ دار افراد کو کڑی سزا دے جو اس بے حیائی کو ایک مسلمان ملک میں پھیلا رہے ہیں اور آپ سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ آپ کے ارد گرد جو لوگ اس غلیظ اور ناپاک دھندے میں ملوث ہیں ان کی ملی اور دینی غیرت کو جھنجھوڑیں اگر پھر بھی وہ اس کی فروخت ترک نہ کریں تو ان کا مکمل بائیکاٹ کریں۔"

اردو بازار میں ایک چوک میں امیر تنظیم لاہور شرقی ۲ جناب اشرف وصی نے خطاب بھی فرمایا۔ بہت سے لوگ اپنی دکانوں سے نکل کر خطاب سن رہے تھے۔ اس مختصر سے خطاب کے بعد یہ احتجاجی قافلہ بھاٹی کی طرف سے ہوتا ہوا لوئر مال پر پہنچ گیا جہاں سے دوبارہ ناصر باغ پہنچا۔ تقریباً تین کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنے کے بعد ناصر باغ پہنچ کر یہ مظاہرہ ختم ہو گیا۔ مظاہرے کے اختتام پر جناب قمر سعید قریشی نے اجتماعی دعا کرائی۔ (باقی صفحہ ۱٦ پر)

جماعت اسلامی اور قاضی حسین احمد

انہوں نے انتخابی عمل کے تقاضے پورے کئے

میری جانب سے قاضی صاحب کی بھرپور تائید کے ساتھ ایک بہت بڑا "لیکن" لگا رہا

ڈاکٹر اسرار احمد

قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی کے موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جو سلسلہ مضامین روزنامہ "جنگ" میں شائع ہوا' اس کی آخری کڑی وہ قسط تھی جو "ندائے خلافت" کے گزشتہ شمارے میں شائع ہو چکی ہے لیکن چونکہ اس سے پہلے کی ایک قسط ہم نے نقل نہیں کی تھی لہٰذا قارئین کو تشنگی محسوس ہو رہی ہے۔ ان صفحات میں اسے پڑھنے کے بعد اس موضوع پر پچھلے پرچے میں شامل تحریر کو دوبارہ پڑھئے تو یہ تشنگی دور ہو جائے گی۔ —— مدیر

الیکشن ۹۳ء سے قبل قاضی حسین احمد صاحب نے جن آراء اور خیالات کا اظہار کیا ان میں سے تین امور کی میں نے بھرپور اور اعلانیہ تائید کی تھی' چنانچہ اس وقت بھی میں نے اس کا اظہار نہ صرف یہ کہ اپنے لاہور اور کراچی کے خطبات جمعہ میں کیا تھا بلکہ دوسرے بہت سے مقامات پر خطابات عام میں بھی کیا تھا' اور آج بھی میں ان تینوں باتوں کی صداقت اور حقانیت پر پورا انشراح صدر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ خود میرے ذاتی مشاہدات اور غور و فکر کے نتائج ہیں اور ان کے ضمن میں میرا اور قاضی صاحب کا معاملہ ع "متفق گردید رائے بو علی با رائے من!" کا مصداق کامل ہے۔ وہ تین امور حسب ذیل ہیں:

(۱) اولین اور اہم ترین بات یہ ہے کہ قاضی صاحب کا عالمی صورت حال کا یہ مشاہدہ (GLOBAL PERPCEPTION) بالکل درست ہے کہ مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

"بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں' اک ساورکر اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے' اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے!"

اس وقت دنیا میں "نیو ورلڈ آرڈر" کے عنوان سے ایک نیا عالمی سامراج "چلتے ہوئے جھکڑ" اور "اٹھتی ہوئی آندھی" کے مانند چھاتا چلا جا رہا ہے --- مزید برآں پاکستان کی دونوں قابل ذکر سیاسی قوتوں سمیت' یہاں کے جملہ مقتدر حلقے اس کی بالادستی کو طوعاً یا کرہاً قبول کر چکے ہیں۔

(۲) پاکستان کی موجودہ دونوں بڑی سیاسی قوتیں' یعنی پاکستان پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ نواز شریف گروپ' صرف نئے عالمی سامراج کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے ہی کے اعتبار سے بالکل مساوی نہیں' دیگر جملہ اعتبارات سے بھی ان کے مابین کوئی بنیادی فرق موجود نہیں ہے۔ چنانچہ خالص دینی اعتبار سے عرض ہے کہ اگرچہ ویسے تو جیسے مسلمان ہم سب اور نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا کے اکثر کلمہ گو ہیں ویسے ہی مسلمان پیپلزپارٹی سے وابستہ لوگ بھی ہیں اور مسلم لیگ سے منسلک لوگ بھی' لیکن ان دونوں سیاسی قوتوں کے سماجی اور تمدنی نظریات' اور سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام کے بارے میں موقف کے مابین فرق و تفاوت کو "بلا تشبیہ" کفر اور نفاق کے فرق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی جہاں پیپلزپارٹی کھلم کھلا اور اعلانیہ طور پر سیکولر جماعت ہے' چنانچہ اس کی قیادت اسلام کے عائلی نظام کو ظالمانہ' اس کی سماجی اقدار کو دقیانوسی اور "مولویانہ" اور شریعت اسلامی کی معین کردہ حدود و تعزیرات کو "وحشیانہ" قرار دیتی ہے اور جداگانہ انتخابات تک کی علی الاعلان مخالف ہے' وہاں مسلم لیگ بھی اگرچہ اپنے نام کی رعایت سے اسلام اور نظریہ پاکستان سے ذہنی تعلق اور قلبی عقیدت کا اظہار تو ضرور کرتی ہے لیکن دین پر عمل درآمد' اور نظام شریعت کے عملی نفاذ کے ضمن میں اس کی روش بھی قطعاً مختلف نہیں! چنانچہ الحمدللہ کہ میں نے ۶۹ ـ ۶۸ء میں بھی جبکہ پاکستان میں "اسلام اور سوشلزم" کے مابین ایک "ہوائی جنگ" زور و شور کے ساتھ جاری تھی برملا لکھا تھا کہ "مجھے کوئی بتائے کہ دینی اعتبار سے میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور جناب ذوالفقار علی بھٹو کے مابین کون سا بنیادی فرق یا تفاوت ہے" اور آج بھی برملا کہتا ہوں کہ خالص دینی اعتبار سے محترمہ بے نظیر بھٹو اور سیدہ عابدہ حسین کے مابین کوئی فرق نہیں! اور اگر پیپلزپارٹی کی حکومت میں محترمہ بے نظیر پہلے بھی "وزیرۂ عظمیٰ" رہیں اور اب بھی ہیں تو آئی جے آئی کی حکومت میں بھی سیدہ عابدہ پہلے "وزیرہ" اور پھر "سفیرۂ عظمیٰ" کے مناصب پر فائز رہیں! رہا یہ سوال کہ کفر اور نفاق میں سے بہتر چیز کونسی ہے اور بدتر کونسی' تو اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے اور اس کے ضمن میں ذاتی رجحان اور افتاد طبع کی بنا پر اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ سورۂ حدید کی آیات ۱۴ اور ۱۵ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اگرچہ دنیا میں منافق مومنین صادقین کے ساتھ گڈ مڈ رہتے ہیں' لیکن آخرت میں ان کا انجام کفار کے ساتھ ہو گا! بلکہ سورۂ نساء کی آیت ۱۴۵ میں تو صاف فرما دیا گیا ہے کہ "منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے!" --- (تاہم دین کے ساتھ پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ کی عملی روش کے ضمن میں میری یہ رائے ان کے اجتماعی موقف کے اعتبار سے ہے' ورنہ جہاں تک شخصی اور ذاتی سطح پر اسلام کے ساتھ "مذہبی لگاؤ" کا تعلق ہے تو دونوں ہی جماعتوں میں "پابند صوم و صلوٰۃ" لوگ اچھی بھلی تعداد میں موجود ہیں' چنانچہ ایک جانب نواز شریف صاحب ہیں جو خود بھی پابند صوم و صلوٰۃ ہیں' اور ان کے والد ماجد تو تہجد گزار بھی ہیں' تو دوسری جانب جناب فاروق لغاری اس اعتبار سے بھی ان کے بالکل "ہم پلہ" ہیں کہ خود بھی اتنے ہی پابند صوم و صلوٰۃ ہیں' اور اس اعتبار سے بھی کہ ان کے چچا سردار عطا محمد خان لغاری مرحوم بحیثیت کمشنر نہ صرف یہ کہ اپنے جملہ دفتری اوقات میں بھی ہمہ وقت باوضو رہا کرتے تھے بلکہ اپنے دفتر کے عمارتی رخ سے قطع نظر اپنی کرسی ہمیشہ "قبلہ رو" رکھتے تھے! ---- بلکہ اس

5775

اعتبار سے تو "لغاری فیملی" ---- "شریف فیملی" سے آگے ہے کہ جناب عطا محمد خان لغاری نے تو اپنی انگریز بیوی سے بھی پورا اسلامی پردہ کرایا اور جناب فاروق لغاری کی اہلیہ بھی تاحال "منظر عام" پر نہیں آئیں!)

(۳) تیسری بات جس کے ضمن میں میں نے قاضی صاحب کی بھرپور تائید کی تھی یہ ہے کہ اگر کسی کو واقعتاً نظام اسلام کے قیام کا کام کرنا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ انمل بے جوڑ قسم کے متحدہ محاذوں میں شمولیت کے ذریعے اپنا وقت اور اپنی توانائیاں ضائع نہ کرے بلکہ ایک امیر کی امارت یا ایک قائد کی قیادت میں ایک محکم اور منظم جماعتی نظام کے قیام اور اس کی حتی الامکان توسیع کی کوشش کرے۔ اس لئے کہ "متحدہ محاذوں" کے ذریعے صرف "منفی" کام کئے جاسکتے ہیں، کوئی "مثبت" نہیں کیا جاسکتا! ---- یعنی ان کے ذریعے کسی کی ٹانگ تو گھسیٹی جاسکتی ہے اور کسی کو تخت حکومت سے نیچے بھی گرایا جاسکتا ہے، جیسے کہ "ڈیک" اور پی ڈی ایم وغیرہ نے صدر ایوب خاں مرحوم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا، یا ایم آر ڈی وغیرہ نے صدر ضیاء الحق کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا، لیکن کوئی تعمیری کام نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ کسی تخریب کے لئے تو صرف مختلف النوع "نفرتیں" بھی جمع ہو کر موثر ثابت ہو سکتی ہیں، لیکن کسی تعمیر کے لئے نظریات اور مقاصد کی ہم آہنگی لازمی ہوتی ہے، جس کے تقاضے بہ تمام و کمال تو صرف ایک "جماعت" ہی کے ذریعے پورے ہو سکتے ہیں، لیکن اس سے کم تر درجہ میں اگر کسی مرحلہ پر کوئی وسیع تر اتحاد ضروری ہو جائے تو اس کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے اس کی "قیادت" کا بھی ایک قائد کی ذات میں مرکوز ہونا لازمی ہے۔ جیسے کہ انڈین نیشنل کانگریس جیسی دستوری و جمہوری جماعت میں بھی کسی عوامی تحریک کے مرحلے پر "ڈکٹیٹر" نامزد کر دیئے جاتے تھے!

تاہم قاضی صاحب کی ان تینوں باتوں کی بھرپور تائید کے ساتھ ساتھ میری جانب سے ہمیشہ ایک بہت بڑا "لیکن" لگا رہتا تھا یعنی یہ کہ ان تینوں باتوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جماعت انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر انقلابی جدوجہد کا راستہ اختیار کرے۔ اس لئے کہ:

۱- نیو ورلڈ آرڈر کے نئے عالمی سامراج کے دباؤ کا مقابلہ صرف ایک ایسی حکومت اور قیادت کر سکتی ہے جو کسی انقلابی عمل کے نتیجے میں برسر اقتدار آئی ہو۔ اس لئے کہ انقلاب ہمیشہ ہزاروں جانوں کی قربانی کے ذریعے آتا ہے، اور صرف اس وقت آتا ہے جب ان پر مستزاد لاکھوں مزید لوگ جانیں قربان کرنے پر آمادہ ہو چکے ہوں۔ اور ان کے زیر اثر بحیثیت مجموعی پوری قوم نہ صرف یہ کہ بھوکی رہنے یا بقول بھٹو مرحوم "گھاس کھانے" پر آمادہ ہو چکی ہو بلکہ مرنے مارنے پر بھی پوری طرح تیار ہو چکی ہو۔ اور نئے عالمی استعمار ایسے "چلتے جھکڑ" اور "اٹھتی آندھی" تو کجا کوئی قوم عام استعماری طاقت کا مقابلہ بھی اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک عوام میں یہ انقلابی ہی نہیں "عقابی" روح بیدار نہ ہو چکی ہو۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ کہا، اور اب پھر دہرا رہا ہوں کہ انتخابی سیاست کے کسی اتار چڑھاؤ یا کسی وقتی لہر کے ذریعے اگر خود قاضی صاحب پاکستان کے وزیر اعظم بن جائیں تو وہ بھی اپنے آپ کو نئے عالمی سامراج کی بالادستی قبول کرنے پر اسی طرح مجبور پائیں گے جس طرح کوئی دوسری قیادت یا حکومت!

۲- ثانیاً اسلامی نظام کا بالفعل قیام صرف ایسے لوگوں کے ذریعے ممکن ہے جو اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں اسلام کو عملاً نافذ کر چکے ہوں ---- اور پھر اسلام کے نظام اجتماعی یعنی اللہ کے عطا کردہ "پولیٹکو سوشیو اکنامک سسٹم" کو ایک کامل حیاتیاتی وحدت کی حیثیت سے پورے نظام زندگی پر بالفعل "غالب" کردینے کے بلند و بالا مقصد کے لئے ایک جانب تن من دھن، حتیٰ کہ جان تک قربان کر دینے پر نہ صرف یہ کہ پوری طرح آمادہ ہوں بلکہ ۔

"شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی!"

کے مصداق اسی کو اصل کامیابی اور مقصد حیات سمجھیں، اور دوسری جانب اپنی ذاتی رائے اور "انا" کا ایثار کرتے ہوئے ایک امیر کی قیادت کو قبول کر کے شریعت کے دائرے کے اندر اندر اس کی اطاعت کے لئے بہ دل و جان آمادہ ہوں۔ چنانچہ یہی فلسفہ تھا جو مولانا مودودی مرحوم نے ۱۹۴۰ء میں "ایک صالح جماعت کی ضرورت" کے عنوان سے پیش کیا تھا، جس کی بنیاد پر ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی تاسیس ہوئی تھی۔ پھر اسی کو انہوں نے "اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے" کے عنوان سے تقریباً اسی زمانے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مشہور اسٹریچی ہال میں دیئے جانے والے خطبہ میں عقلی دلائل کے حوالے سے، اور پھر ۱۹۴۶ء میں "شہادت حق" نامی کتابچے میں اس حدیث نبویؐ کے حوالے سے بیان کیا تھا کہ: "مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، مجھے ان کا حکم اللہ نے دیا ہے، یعنی: التزام جماعت، سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ!" (مسند احمدؒ اور جامع ترمذیؒ عن الحارث الاشعری ﷺ)

الغرض، قاضی حسین احمد صاحب کا اصل مخمصہ یہ ہے کہ نہ صرف ان کی ذاتی سوچ اور ان کا مزاج انقلابی ہیں بلکہ ان کے مقاصد اور ان کا تحریکی پس منظر بھی سب کے سب "انقلابی" ہیں، لیکن وہ عملاً راستہ انتخابی سیاست کا اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انقلابی جدوجہد اور انتخابی عمل کے تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں، بالکل متضاد ہیں۔ چنانچہ عملی اعتبار سے صورت یہ بن جاتی ہے کہ اگر وہ اپنی طبیعت پر جبر کر کے انتخابی سیاست کے کسی ایک تقاضے کو پورا کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں، تو انقلابی مزاج کا کوئی دوسرا تقاضا ان کے پاؤں کی بیڑی بن جاتا ہے۔ جیسے حالیہ انتخابات کے موقع پر ہوا کہ انتخابی عمل کے ایک تقاضے کو تو انہوں نے خوب سمجھا، یعنی یہ کہ موجودہ حالات میں اس کے لئے جماعت اسلامی ایسی محدود اور "کٹر" قسم کی جماعت نہیں، آزاد قسم کے اطوار کی حامل عوامی تنظیم درکار ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پاسبان اور "پف" کی قسم کی تنظیمیں قائم کیں، لیکن ایک تو ان پر خواہ وقتی طور پر ہی سہی بہرحال جماعت اسلامی کے اولین دور کی "انقلابی اصول پسندی" کا غلبہ ہو گیا جس کے باعث انہوں نے انتخابی سیاست کے اس تقاضے کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ اس میدان میں تو ع "کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں" کے مصداق قدم قدم پر اور لحظہ بہ لحظہ "اھون البلیتین" یعنی "LESSER EVIL" کے نظریئے کے تحت جوڑ توڑ جاری رکھنا ضروری ہوتا ہے اور اس ضمن میں انیس بیس ہی کا نہیں ساڑھے انیس اور پونے بیس کا فرق بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے مزید برآں انہوں نے اس حقیقت سے بھی صرف نظر کر لیا کہ کچھ جذباتی اور جوشیلے نوجوانوں یا نیک جذبات کے حامل درمیانہ درجہ کے کاروباری لوگوں سے قطع نظر، جو لوگ سیاست کی موجودہ "منڈی" میں "سکہ رائج الوقت" کے اعتبار سے کسی واقعی اہمیت کے حامل ہیں وہ ان کی "قیادت" کو آخر کس دلیل سے قبول کر لیں گے؟۔ (چنانچہ حال ہی میں دبئی سے جناب محمود اعظم فاروقی کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ بہت سے اہم لوگوں نے "پاکستان

اسلامک فرنٹ" میں شمولیت کا وعدہ تو کیا تھا لیکن بعد میں وہ اس سے منحرف ہو گئے!)

تاہم یہ "مخمصہ" صرف قاضی حسین احمد صاحب کا نہیں ہے' بلکہ پوری جماعت اسلامی کا ہے۔ اس لئے کہ اس کا آغاز اس کے داعی اور موسس یعنی مولانا مودودی مرحوم ہی کی ایک غلطی کے ذریعے ہوا تھا' جو کسی بدنیتی نہیں بلکہ کچھ خوش فہمی اور کچھ پاکستانی معاشرے کی غلط "تشخیص" کی بنا پر ہوئی تھی اور اگرچہ ہماری اطلاع کے مطابق ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد مولانا مرحوم کو تو اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا' جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کر دیا تھا' تاہم چونکہ یہ معاملہ اس وقت ہوا جب ایک جانب خود مولانا مرحوم عمر اور صحت کے اعتبار سے اس پوزیشن میں نہیں رہے تھے کہ جماعت کی بھاری بھر کم گاڑی کے سٹیرنگ کو خود سنبھال کر اس کا رخ تبدیل کرنے کی کوشش کرتے اور دوسری جانب جماعت کی صف دوم کی قیادت کا ذہن اور مزاج بیس برس تک ایک خاص رخ پر کام کرتے رہنے کے باعث اس کے مخصوص سانچے میں ڈھل چکا تھا للذا جماعت اسی رخ پر آگے بڑھتی چلی گئی۔ اور جیسے جیسے وقت گذرا جماعت کے متذکرہ بالا مخمصے کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تاہم اس کا سارا الزام قاضی صاحب کے ذمہ لگا دینا ہرگز درست نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی فعال اور متحرک شخصیت نے اس مخمصے کو اچانک بہت زیادہ نمایاں کر دیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ غالباً وسط جولائی ۹۳ء میں جب پاکستان کے ایک ایسے ہفت روزہ جریدے کے اہم نمائندے نے مجھ سے طویل اور مفصل انٹرویو لیا تھا جس کے مالک اور مدیر جماعت اسلامی کے متاثرین اور ہمدردان ہی نہیں' اس کے "سرپرستوں" کے حلقے میں شامل رہے ہیں لیکن اب جناب نواز شریف صاحب کے سیاسی اور صحافتی حلیف کی حیثیت رکھتے ہیں' انٹرویو لینے والے صاحب - زاویے سے سوالات کر کے مجھ سے یہ کہلوانے کی کوشش کی کہ جماعت اسلامی کی موجودہ تمام "خرابیوں" اور "خستہ حالیوں" کی ذمہ داری قاضی حسین احمد پر ہے۔ لیکن میں نے ہر بار یہی کہا کہ میرے نزدیک اس پوری صورت حال کی اصل ذمہ داری جماعت کی پالیسی کی اس تبدیلی پر ہے جو ۵۱-۱۹۵۰ء میں اختیار کی گئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی راہ کا جب رخ بدلتا ہے تو شروع میں تو چونکہ فاصلہ لامحالہ بہت کم ہوتا ہے لہٰذا فرق کا احساس نہیں ہوتا' تاہم اس کے بعد جب نئے رخ پر پیش قدمی جاری رہتی ہے تو جیسے جیسے قدم آگے بڑھتے ہیں سابقہ رخ سے فاصلے میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا قاضی صاحب اس وقت جس رخ پر جماعت یا تحریک کو لے جا رہے ہیں اس میں "کیت" یعنی مقدار کے اعتبار سے تو یقیناً جماعت اسلامی کے اصل اور ابتدائی رخ اور مزاج سے بہت بعد پیدا ہو گیا ہے' لیکن اصولی اور منطقی اعتبار سے یہ ہے اسی رخ پر جو اب سے چالیس سال قبل اختیار کیا گیا تھا---- بہرحال میرے اس موقف پر اصرار کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس طویل انٹرویو کو طباعت و اشاعت کی "سعادت" آج تک حاصل نہیں ہو سکی!

بقیہ مظاہرہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ لوگوں پر شائد ایسے مظاہروں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ بہت سے شریف شہری جو واقعتاً اس بڑھتی ہوئی فحاشی سے تنگ ہیں اور اس طوفان کو اپنے گھروں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں' ایسے مظاہروں سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور عملی خطوط پر سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس چھوٹے سے مظاہرے کے دوران بھی اس وقائع نگار نے مختلف لوگوں کے تاثرات سنے جس سے اندازہ ہوا کہ بات ان کے دلوں کو لگ رہی ہے۔ محترم فیاض حکیم صاحب جب درد بھرے انداز میں چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ "لوگو! اس وقت سے بچو جب بہن اور بھائی کی تمیز ختم ہو جائے' جب ماں اور بیٹے کا فرق اٹھ جائے" تو راقم نے خود بعض لوگوں کو کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے دیکھا۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ یہ لوگ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ ہم واقعتاً اسی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر سی سعی کو شرف قبولیت بخشے۔ OO

بقیہ: پریس ریلیز

نگادی اور وہاں سے بھی ایک لوٹا برآمد کر لیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے ان سب بحرانوں کا حل تجویز کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے حصول کی کوشش کی جانی چاہئے جس کے لئے توبہ شرط لازم ہے جبکہ اجتماعی سطح پر تو کیا ہم انفرادی سطح پر بھی توبہ نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں کتاب و سنت کی مکمل بالادستی کے لئے ایک عوامی تحریک چلائی جانی چاہئے جسے چلانے والوں نے اپنے آپ پر بھی کتاب و سنت کے احکام کو عملاً نافذ کر لیا ہو۔ پھر یہ اعلان بھی ضروری ہے کہ اس تحریک کا کشمکش اقتدار سے ہرگز کوئی تعلق نہیں اور اسے چلانے والے کسی کے سیاسی حریف یا حلیف نہیں ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنے میں بھی مزید تاخیر نہیں کرنی چاہئے کہ پارلیمانی نظام ہمیں بالکل راس نہیں آ رہا۔ اس نظام حکومت کی لعنتیں کھل کر سامنے آ گئی ہیں جس کے بعد واضح ہو گیا ہے کہ ہمارے لئے صدارتی نظام ہی موزوں ہے جو نظام خلافت سے بھی قریب تر ہے۔ صدر کو پانچ سال کے لئے منتخب کر کے کام کا پورا موقع دے دیا جاتا ہے اور پھر مینڈکوں کے پھدک کر ایک پلڑے سے دوسرے پلڑے میں جانے سے صدر کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ انہوں نے کہا کہ ایک اور تدبیر کئے بغیر بھی اب کوئی چارہ نہیں رہا جو صوبوں کی نئی حد بندی سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اب تو ایک سیاستدان نے بھی جو قابل ذکر دانشور ہیں' اس تجویز کی حمایت کر دی ہے کہ ملک کو نئے صوبے بنا کر چھوٹے انتظامی یونٹوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ کوئی بڑا صوبہ ہی باقی نہ رہے جس سے چھوٹے صوبوں کو کوئی خوف ہو----OO

بقیہ: فلاحی مملکت

نظام کے مطابق ہو۔ زکوٰۃ کو مستحقین تک پہنچایا جائے۔ اس کی تقسیم کی تشہیر ابلاغ عامہ کے ذریعے نہ کی جائے تاکہ زکوٰۃ لینے والوں کی سبکی نہ ہو۔ اکتناز اور احتکار دولت کا خاتمہ کیا جائے۔ کفالت عامہ کے نظام میں شہریوں کی عزت نفس اور تکریم ذات کا خیال رکھا جائے۔

چوری چکاری' دھوکہ دہی اور پیشہ ورانہ گداگری جیسی خباثتیں اس وقت صحیح طور پر ختم ہوں گی جب بیت المال کو موثر بنایا جائے گا۔ کفالت عامہ فنڈ قائم کیا جائے جس میں زکوٰۃ' صدقات' عشر' غرائب اور مخیر حضرات کے عطیات اکٹھے کئے جائیں۔ اس فنڈ کے دفاتر ہر تحصیل اور ضلع کی سطح پر ہوں۔ کفالتی اداروں میں تربیت اطفال کے مراکز ہوں۔ مفت شفاخانے ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں معذوروں' نابیناؤں' فالج زدہ مریضوں اور بے سہارا یتیموں کی دیکھ بھال کے لئے خادم بھی مقرر کئے تھے۔ نیز مہمان خانے' وظائف اور [illegible] کے مراکز قائم کئے جائیں۔ اسلامی حکومت کا بلاسود بینک ایسے وظائف تقسیم کر سکتا ہے۔

جمہوری عمل سے نظام کی تبدیلی ممکن ہی نہیں

امیدواروں کی شرائط اہلیت کسے معلوم نہیں؟

محمد سمیع

ملک کے ممتاز دانشور اور مشہور صحافی جناب محمد صلاح الدین نے علمائے کرام کی ایک نشست میں ان خیالات کا اظہار فرمایا ہے کہ "اگر وہ تمام علماء جو عملی سیاست میں ہیں یا اس سے الگ تھلگ صرف درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت دین میں مصروف ہیں' اپنا پورا وزن ڈال کر اصلاح احوال کے لئے کوئی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو میری تجویز یہ ہے کہ وہ صرف ایک نکتہ پر متفق ہو جائیں اور شاید یہی وہ واحد نکتہ ہے جس پر ان کے درمیان اتفاق کا امکان بھی ہے کہ وہ آئین کے آرٹیکل ۶۳ میں دی گئی شرائط اہلیت کو منوانے پر اور ضروری ہو تو ان میں مناسب ترامیم کرانے پر اپنی قوت لگادیں اور یہ عزم کرلیں کہ اس ملک میں ہم کسی بد کردار اور شرائط اہلیت پر پورا نہ اترنے والے کسی امیدار کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت' اپنے ملک میں حکومت اور قانون سازی کے اعلیٰ منصب پر بھیجنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ وہ سیاست میں عملاً ہوں یا نہ ہوں' سیاسی زندگی کی تطہیر پر کمربستہ ہو جائیں اور اسے اخلاقی لحاظ سے بہتر بنانے کے لئے سیاست سے پست کردار افراد کے اخراج اور اس میدان میں ان کی آمد کا راستہ مسدود کرنے کا اہم کام کرڈالیں تو صورتحال میں ایک خوشگوار تبدیلی آسکتی ہے۔ مسلمانوں کے درمیان توحید و رسالت کے بعد واحد غیر متنازعہ چیز اسلام کا ضابطہ اخلاق ہے۔ اگر ہر مسلک اور عقیدے کی جماعتیں' ان کے متعلقہ ادارے اور مساجد و مدارس سے ایک ہی آواز اٹھے کہ ہم بلدیاتی اداروں سے' قومی اسمبلی اور سینٹ تک کسی بدکردار اور بدنام آدمی کو آنے نہیں دیں گے۔ کوئی شیعہ ہو یا سنی' دیو بندی ہو یا بریلوی یا اہلحدیث یا کسی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو یا آزاد ہو' اسے صاحب علم و اخلاق' فرائض کا پابند اور بگاڑ سے مجتنب ہونا چاہئے تو یہ متحدہ اور توانا آواز عوام کے شعور کی تربیت بھی کرے گی اور سیاسی میدان میں اس مقصد کے لئے کار فرما قوتیں بھی اس سے حوصلہ پاکر آگے بڑھیں گی۔" دوسرا نکتہ بھی انہوں نے بیان فرمایا ہے یعنی پچاس فیصد سے زائد ووٹوں کے حصول پر کامیابی کی شرط کے لئے تمام سیاسی جماعتوں اور قوتوں کا اتفاق و اصرار۔

صلاح الدین صاحب کے تجویز کردہ نکتوں پر غور کرنے کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی جب اول تو ہماری عوام اس بات سے ناواقف ہوتی کہ آئین میں شرائط اہلیت بھی درج ہیں' اور بالفرض یہ آئین میں درج نہ بھی ہوتیں تو اس بات سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ بدکردار اور شرائط اہلیت پر پورا نہ اترنے والوں کو ملک کی باگ ڈور نہیں تھمانا چاہئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ووٹ کا اختیار علماء سیاست کے پاس نہیں بلکہ عوام کے پاس ہے۔ اور عوام کی عمومی اخلاقی و دینی حالت کو بہتر بنانے کی کوئی کوشش اب تک کسی بھی طرف سے نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس ہر گروہ نے انہیں اپنا آلہ کار بنانے کے لئے سبز باغ دکھائے اور دھوکے دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے نام پر بھی ان کے ساتھ ہاتھ کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خیر و شر کی تمیز کو اب کم از کم انتخابی عمل میں کار فرما دیکھنے کے روادار نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کسی امیدوار کو نااہل قرار دلوانے کے لئے ان کے خلاف شہادتیں ہی تو پیش کی جائیں گی جن کی کاٹ بھی شہادتوں ہی سے ہوگی اور ہمارے اس بگڑے ہوئے معاشرے سے جھوٹی گواہیاں اور غلط تصدیق نامے حاصل کرنا بھی کوئی مشکل کام ہے؟۔

پھر ہمارے ہاں لوگوں کی اکثریت کو ووٹ کے حق استعمال کا آزادانہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ووٹروں کا بیشتر حصہ دیہی علاقوں میں آباد ہے جہاں وڈیروں اور جاگیرداروں کا راج ہے۔ بیچارے ہاری کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے زمیندار کی مرضی کے خلاف کسی کو ووٹ ڈال سکے۔ اور اگر بالفرض کسی کا جذبہ حب الوطنی اس عمل پر آمادہ کر بھی دے تو زمیندار کے ظلم سے نجات دینے کے لئے کون سا ادارہ اس کی پشت پر موجود ہے۔ دیہاتوں میں مساجد اور مدارس کے اساتذہ اور خطباء حضرات کی ان جاگیر داروں کے سامنے کیا چل سکتی ہے کہ وہ لوگوں میں سیاسی حوالے سے درس اخلاق دیں جبکہ وہ تو شہروں میں بھی ایسا کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ مساجد کمیٹیاں ان کے وظیفوں کی ادائیگی کا بندوبست کرتی ہیں۔ پھر ہمارے مذہبی عناصر کا جو حال ہے وہ سب پر عیاں ہے کہ وہ تبلیغ دین کی بجائے تبلیغ مسالک اور فرقہ وارانہ عقائد میں مصروف ہیں الا ماشاء اللہ۔ اللہ کے یہ گھر اب عملاً فرقوں اور مسلکوں کی ملکیت بن چکے ہیں جن پر ان فرقوں یا مسلکوں کے لوگوں کی بادشاہتیں قائم ہیں جن کو عرف عام میں ہم مساجد کمیٹیاں کہتے ہیں۔

شرائط اہلیت تو بہت معمولی نکتہ ہے جبکہ علماء تو شریعت بل جیسے اہم نکتے پر اتفاق نہیں کرسکے کہ جب مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف صاحب نے پہلے پہل شریعت بل پیش کیا تو اسے منصورہ برانڈ اور امریکی برانڈ شریعت کا نام دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک کی سیاست پر عملاً جاگیرداروں کا قبضہ ہے اور جاگیرداروں کی اخلاقی حالت سب پر عیاں ہے۔ وہ کب یہ پسند کریں گے کہ ان کے ہاریوں میں شرائط اہلیت کی تبلیغ ہو یا ان کو منوانے کی طاقت ان میں پیدا ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک اس ملک سے جاگیرداری نظام کا خاتمہ نہیں ہوتا' ووٹر کو اپنے ووٹوں کے استعمال کا آزادانہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا۔

اب آیئے دوسرے نکتہ کی جانب یعنی پچاس فیصد سے زائد ووٹوں کا حصول۔ بیشتر سیاسی جماعتوں کے منشور میں متناسب نمائندگی پر مبنی انتخابی نظام کے قیام کا ذکر موجود ہے لیکن ان میں سے اکثر کو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ووٹ کے لئے دھن' دھونس اور دھاندلی کا استعمال

ہوتا ہے اور یہ کام یا تو جاگیردار کر سکتا ہے یا سرمایہ دار۔ ان کو اس طریقہ سے ہی پچاس فیصد سے زائد ووٹ مل جاتے ہیں تو ان کی مت ماری گئی ہے کہ یہ اپنے اس انتخابی وعدے کو پورا کرکے ان جماعتوں کو آگے آنے میں مدد دیں جو متوسط طبقے میں کام کر رہی ہیں۔؟

محمد صلاح الدین کو یہ شکایت ہے کہ "ہمارے دینی حلقوں میں "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح کا استعمال بہت کثرت سے ہو رہا ہے اور اس کی تعبیر کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر را" والا معاملہ صاف نظر آتا ہے۔" تعبیر میں اختلاف کے حوالے سے انہوں نے آج کے دور کی چند نمایاں شخصیتوں میں ڈاکٹر اسرار احمد کا نام بھی گنوایا ہے۔ یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ کسی اصطلاح کو صرف اسی لئے ترک کر دیا جائے کہ اس کی تعبیر میں کثرت اختلاف ہے یا کسی کام کو اس لئے ترک کر دیا جائے کہ اس کے لئے طریقہ کار میں اختلاف موجود ہے۔ صابن کی صنعت کو محض اس لئے بند کر دیا جائے کہ اس کی تیاری کے لئے مختلف فیکٹریاں مختلف طریقے استعمال کر رہی ہیں۔ جب ایسا نہیں ہوتا اور ہر فیکٹری والا آزاد ہے کہ وہ جس طرح چاہے صابن بنائے بشرطیکہ جو چیز بنائی گئی ہو وہ واقعتاً صابن کے اوصاف رکھتی ہو تو اسلامی انقلاب کی جدوجہد کو صرف اس بناء پر کس طرح ترک کیا جاسکتا ہے کہ مختلف تنظیموں نے اس کے لئے مختلف طریقہ ہائے کار اپنائے ہوئے ہیں

اصل میں اس کی پشت پر ان کا وہ خیال کار فرما ہے جس کا انہوں نے اظہار کیا ہے کہ "ہمیں اسی آئین کے تحت، اس کے دیئے ہوئے نظام میں سے پیش قدمی کا راستہ نکالنا ہے۔" انہوں نے بجا ارشاد فرمایا ہوگا کیونکہ مستند ہے ان کا فرمایا ہوا۔ لیکن عملی طور پر تو صورتحال بالکل مختلف ہے۔ مذہبی سیاسی جماعتوں نے اسی آئین کے تحت اس کے دیئے ہوئے نظام میں جو پیش قدمی کی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ قرار داد مقاصد آئین کا دیباچہ بنی، پھر آئین کا عملی حصہ بنی اس کے باوجود ایک ایسا شریعت ایکٹ پاس ہو چکا ہے جس میں سود کو قانونی تحفظ دیا گیا ہے، قرآن و سنت کی بالادستی کا ترمیمی بل جانے کون سی منزل میں ہے۔ دوسری طرف تمام مذہبی سیاسی جماعتوں کے افراد سے زیادہ اقلیتی افراد کے ارکان قانون ساز ادارے میں موجود ہیں اور ایک اسلامی نظریہ پر قائم ملک کی آئین سازی میں Casting Vote رکھتے ہیں۔ یہ ہے اس مغربی جمہوری نظام کا ثمر، اور جو محمد صلاح الدین بار بار قوم کو ڈراتے رہتے ہیں کہ سیکولر عناصر سیاست پر بالادست ہو جائیں گے تو وہ پتہ نہیں اور کون سی بالادستی کا اندیشہ رکھتے ہیں جبکہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں ہی سیکولر عناصر پر مشتمل ہے اور دونوں ہی کے ہاتھوں میں قوم کی تقدیر آچکی ہے۔

اصل میں ہمارے مذہبی عناصر کو سیاست کا ایسا چسکا پڑ چکا ہے کہ خواہ عوامی انداز اختیار کرنے کے باوجود لوگ انہیں مسترد کر دیں، چند سیٹوں کے عوض وہ اس کام کو جاری رکھنے پر مجبور ہیں، قانون ساز اداروں کی چند سیٹیں ان کی مجبوری بن چکی ہے۔ جب شریعت بل کی حمایت میں تحریک چلانے کے لئے شریعت محاذ میں رہتے ہوئے قومی اسمبلی اور سینٹ کی سیٹیں چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے تو اور کس اعلیٰ مقصد کے لئے وہ انتخابی سیاست کو، بالفاظ دیگر کشمکش اقتدار کو چھوڑ سکتے ہیں۔

اور محمد صلاح الدین کا یہ کہنا کہ "ہمارے ہاں اکثر انقلاب ایران کی مثال دی جاتی ہے لیکن ایسا کوئی تجربہ پاکستان میں ممکن نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک زبان، ایک عقیدے ایک تاج، ایک متفقہ رہنما اور اس سے جم غفیر کے مضبوط رشتہ اطاعت کے پانچ عوامل کا ہونا ضروری ہے جن میں سے یہاں ایک بھی موجود نہیں۔"... ان کے نزدیک درست ہو سکتا ہے لیکن جم غفیر کے مضبوط رشتہ اطاعت کے حصول کے لئے ان عوامل سے زیادہ ایک ایسے متفقہ رہنما کی ضرورت ہے جو انقلابی نظریہ پر پختہ ایمان ہی نہ رکھتا ہو بلکہ اپنی عملی زندگی میں اس نظریہ پر عامل بھی ہو۔ ہمارے ملک کے عوام نے اس نام نہاد تحریک سے بھی مضبوط رشتہ اطاعت جوڑا تھا جو عملاً تو "بھٹو ہٹاؤ تحریک" تھی لیکن نام اسے "نظام مصطفےٰ تحریک" کا دیا گیا تھا۔ عوام کے ساتھ اتنا بڑا فریب کرنے کے بعد بھی ہمارے سیاسی علماء اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ عوام ان سے مضبوط رشتہ اطاعت استوار رکھے گی تو یہ ان کی بھول ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انقلاب نام ہے مکمل تبدیلی کا جو جزوی اصلاح کے ذریعہ ممکن نہیں۔ ملک میں رائج نظام کا حصہ بن کر اس کو چلانے کے لئے بہتر ہاتھ تو مہیا ہو سکتے ہیں، اس نظام کو بیخ و بن سے نہیں اکھاڑا جا سکتا۔ اس کے لئے تو اس نظام سے الگ رہ کر اس کے باطل گوشوں پر ضرب کاری لگانے کے لئے ایک پریشر گروپ کا وجود لازمی ہے۔ اور وہ پریشر گروپ نبی کریم ﷺ کے اسی فرمان پر عمل کرتے ہوئے ہی بن سکتا ہے کہ برائی کو اول تو دل سے برا جانو پھر اگر استطاعت ہو تو طاقت نہ ہونے کے باوجود زبان سے اسے برا کہو اور طاقت کے حصول کے بعد اس برائی پر کاری ضرب لگاؤ (مفہوم)۔ جب تک حق کا کوڑا باطل کے سر پر نہیں پڑے گا، اس کا بھیجا نہیں نکل سکتا۔ OO

عالمی خلافتِ اسلامیہ؟

"بیک وقت دو یا زیادہ خلافتوں کے انعقاد و بقا کو شرعاً ناجائز اور ممنوع کہنا ہی غلط ہے اسلام نے اس امر کو پسند کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان ایک ہی خلافت سے منسلک رہیں لیکن یہ پسندیدگی ترغیب ہی کی حد تک محدود ہے حکم اور امر کے درجہ تک نہیں پہنچتی۔ دو خلفاء کا بیک وقت نصب و تقرر صرف اس وقت ممنوع اور ناجائز ہے جب دونوں کا ملک ایک ہی ہو اور دونوں ایک ہی علاقہ اور رقبہ اراضی کا حکمران منتخب کیا جائے یہ صورت شرعاً و عقلاً ہر طرح ممنوع اور مکروہ ہے حدیث میں ایک خلیفہ کے تقرر کے بعد دوسرے کو خلیفہ مقرر کرنے کی شدید مخالفت وارد ہوئی ہے یہاں تک کہ فرمایا گیا ہے فاقتلوا الآخر اس کا محل یہی ہے مگر جب دونوں کے علاقے الگ الگ ہوں اور دونوں کی خلافتوں میں کسی تعارض و تصادم کا اندیشہ نہ ہو تو دو یا زیادہ خلافتوں کا قیام ممنوع نہیں ہے خصوصاً جب صرف ایک خلافت کے قیام سے کوئی مانع درپیش ہو۔"

(اظہار حقیقت، جلد سوم: از مفکر اسلام مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندوی)

ڈاکٹر اسرار احمد
صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے اعلیٰ و دیدہ زیب کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ
رسول کامل
یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور
فرائض دینی اور اسوۂ رسول
سورۃ الاحزاب کے رکوع ۳،۲ کی روشنی میں

کیا ابوذر غفاری مایوسی کی نذر ہونے سے بچ گئے ہیں؟

...جو اماں ملی تو کہاں ملی!

ایک مجاہد کی عبرتناک داستان جسے ہمارے لئے مہمیز بننا چاہئے

پاکستان کے اخبار بینوں کے لئے ابوذر غفاری ایک جانا پہچانا نام ہے۔ وہ برسہابرس اخبارات بالخصوص "نوائے وقت" کے ذریعے اپنے مجاہدانہ نظریات اور مشوروں کی نشرواشاعت کرتے رہے اور مسلسل یہ بھی بتاتے رہے کہ دنیا بھر میں مسلم قیادتیں پہاڑوں جیسی کیسی بڑی بڑی غلطیاں کرتی چلی آ رہی ہیں۔ انہوں نے پورے خلوص واخلاص سے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر ہر اس جہاد و قتال میں عملاً حصہ لیا جو دنیا کے کسی بھی حصے میں مسلمان اپنے دین ومذہب کے نام پر کر رہے ہیں۔ پھر وہ اپنے تجربات کی روشنی میں قیادتوں کو ان کی غلطیوں کے ازالے کی غرض سے عسکری اور ہر نوع کی متعلقہ منصوبہ بندی بھی کر کے دیتے رہے' کسی معاوضے اور صلے کے بغیر جس کی تمنا بھی ان طویل بیس برسوں میں انہوں نے کبھی نہ کی لیکن اللہ کا یہ سادہ دل بندہ دنیا بھر کے مسلمان عمائدین کا "طرز تپاک" اور رنگ ڈھنگ دیکھ کر آخر کار شدید مایوسی کا شکار ہوا اور اب گوشہ نشین ہے۔ ان کا جنوں اس گوشے میں بھی نچلا تو نہیں بیٹھا اور اپنے جسم کی بچی کھچی توانائیاں اب وہ ملک کی آئندہ نسل کی دینی تعلیم وتربیت میں کھپا رہے ہیں تاہم ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسے ایسے قیمتی آدمی یوں ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے تو امت مسلمہ کا مستقبل کیا ہو گا جو پہلے ہی قحط الرجال کی شکار ہے۔ جو کام جناب ابوذر غفاری جیسا جوہر قابل کر رہا ہے وہ تو اس بستی کا کوئی بھی دیندار بزرگ کر سکتا ہے جو ریٹائرڈ ٹیچر ہو تو اور بہتر ہے' شرط صرف ایک دھن اور لگن کی ہے۔

کیا ملت کے جسد میں نئی روح پھونکنے اور احیائے اسلام کے لئے مسلمان ملکوں کے اس ماحول اور ان قیادتوں کو بدلا نہیں جا سکتا جنہوں نے ابوذر غفاری جیسے مرد میدان کو بھی مسجد کی محراب میں گوشہ نشین ہونے پر مجبور کر دیا؟۔ اس ماحول اور ان قیادتوں کو بدلنے ہی کے لئے تو ایک انقلابی جدوجہد درکار ہے جو اسی باطل وفاسد نظام کا کڑوا پھل ہے جسے جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینکے بغیر ابوذر غفاری جیسے مخلص وایثار پیشہ مسلمانوں کی محنت بھی اکارت جائے گی۔

جناب ابوذر غفاری کی تحریر "نوائے وقت" کے شکریے اور اس خواہش کے ساتھ ان صفحات میں پیش کی جا رہی ہے کہ ہمارے قارئین میں سے جسے بھی توفیق ہو' اپنے اس مجاہد کی ہمت بندھائے تاکہ قوم اس کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھا سکے۔ ملت کا یہ سرمایہ ضائع ہو گیا تو اسلام کی "غربت" اور بڑھ جائے گی۔ چاہئے تو یہ کہ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ بن جائے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جن معدودے چند ٹمٹماتے ستاروں کے طفیل قوم کے افق پہ تاحال تھوڑی بہت روشنی نظر آتی ہے وہ بھی ایک ایک کر کے ڈوب رہے ہیں۔

——— مدیر

گزشتہ برس ۱۶ جولائی کو محترم مجید نظامی نے اسلام آباد میں کشمیر پریس انٹرنیشنل کے زیر اہتمام "مسئلہ کشمیر اور ذرائع ابلاغ" کے موضوع پر منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ صدر (غلام اسحاق) وزیراعظم (میاں نواز شریف) اور بے نظیر بھٹو (جو اب وزیراعظم ہیں) پر کشمیر کے حوالے سے موجودہ لڑائی اور بے حسی کا مظاہرہ کرنے پر مقدمہ چلایا جائے کیونکہ اس اعتبار سے وہ قومی مجرموں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم سوئی ہوئی بے غیرت قوم بن چکے ہیں جو اجتماعی خودکشی کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ راقم کی افغان جہاد کے دوران خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے سوال کیا کہ کتنے صحافی افغان جہاد کی کوریج کے لئے گئے اور یہ بتایا کہ "ابوذر غفاری تنگ آ کر اب سیالکوٹ میں بچوں کو نمازیں پڑھا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نماز کی پابندی کے بغیر جہاد نہیں کیا جا سکتا۔"

بہت سوچ سمجھ کر بات کرنے والے جناب مجید نظامی نے جب میرے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تو اس وقت سے اب تک کئی لوگ مجھ سے یہ سوال کر چکے ہیں کہ کس چیز سے تنگ آ کر میں نے سیالکوٹ میں بچوں کو نمازیں پڑھانا شروع کیا ہوا ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے مجھے چند حقائق پیش کرنا ہوں گے۔ پہلی حقیقت یہ ہے کہ مثبت سوچ رکھنے والا ہر باشعور محب وطن پاکستانی یہ جانتا ہے اور کہتا ہے کہ پاکستان کی اصل طاقت اندرونی اتحاد و قومی یکجہتی میں مضمر ہے۔ کشمیر اور افغانستان کے حالات کے علاوہ امریکہ کے دباؤ کے پیش نظر یہ قومی اتحاد پاکستان کی بقا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ یہ ایک بالکل کھلی حقیقت ہے لیکن پاکستان کے سیاستدانوں نے اقتدار کی جنگ کو قوم کی بقا پر ترجیح دی ہوئی ہے۔ کشمیر میں ہونے والے مظالم کے نتیجے میں مظلوم کشمیری عورتوں کی چیخ وپکار پاکستانی سیاستدانوں تک نہ پہنچ سکی اور نہ ہی اپنے گھروں میں جلائے جانے والے کشمیریوں کے گوشت کی بو انہیں متاثر کر سکتی ہے۔ ان پاکستانی سیاست دانوں کی نظر صرف اور صرف کرسی پر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ گھناؤنا کھیل ہر محب وطن پاکستانی کو خون کے آنسو رلانے کے علاوہ اسے پاکستان کے مستقبل سے مایوس کرنے کے لئے کافی ہے۔

اب سیاستدانوں کی ہر لحاظ سے گھٹیا اقتدار کی جنگ میرے جیسے سوچنے اور محسوس کرنے والے شخص کے لئے تو انتہائی تکلیف دہ اور اعصاب شکن رہی ہے۔ جون ۱۹۶۷ء میں جب یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے عالم اسلام میں صف ماتم بچھا دی تھی میں نے اس وقت اس صدمہ عظیم کو اتنا محسوس کیا تھا کہ اسی وقت فوج سے استعفیٰ دے دیا تھا اس کے بعد میں اپنے گھر والوں کو الوداع کہہ کر جہاد فلسطین میں حصہ لینے کے لئے اردن پہنچ گیا تھا۔ اس وقت میرا بڑا لڑکا چار برس کا تھا۔ پھر ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکی تو میں وہاں ایک رضاکار کے طور پر پہنچ گیا۔ اپریل ۱۹۷۴ء تک

بھارت کی قید میں رہا۔

پاکستان آکر آزادی کشمیر کے لئے تگ و دو کرتا رہا۔ ۱۹۷۹ء میں جہاد افغانستان میں حصہ لینے کا آغاز کیا اور پھر فروری ۱۹۸۷ء میں پوری طرح اس میں شامل ہو گیا۔ فروری ۱۹۸۸ء میں جب یہ عیاں ہو گیا کہ روس اور امریکہ کے درمیان افغانستان کے بارے میں سودے بازی ہو گی اور یہ کہ روسی فوج افغانستان سے چلی جائے گی تو اس وقت میں نے چند بااثر شخصیتوں کے ذریعے جنرل محمد ضیا الحق کو یہ پیغام پہنچوایا تھا کہ افغان مجاہدین کے رہنما ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور یہ کہ یہ لوگ غیر منظم ہیں۔ میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ پاکستان کو چاہئے کہ وہ پوری طرح جہاد افغانستان میں ملوث ہو جائے۔ لیکن میرے اس بروقت مشورے کو قبول نہ کیا گیا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

اس طرح میں عملی طور پر جہاد فلسطین، جہاد کشمیر اور جہاد افغانستان سے وابستہ رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ میری یہ خواہش اور کوشش رہی ہے کہ پاکستان میں استحکام ہو تاکہ یہ ملک خداداد عالم اسلام کے لئے ایک طاقت کر مرکز بنے۔ لیکن یہاں ہو کیا رہا ہے۔ روس اور امریکہ کی زیر سرپرستی قائم یہودیوں کی ریاست اسرائیل کو تسلیم کر لینے کی باتیں کی جاتی ہیں۔ کشمیر میں ہونے والی تحریک آزادی کی بھرپور مدد کرنے کی بجائے اقتدار کی جنگ لڑی جاتی ہے۔ اس طرح افغانستان کی آگ بجھانے پر توجہ مرتکز کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں ہونے والی اقتدار کی جنگ صرف پاکستان ہی کو متاثر نہیں کرتی بلکہ یہ آزاد کشمیر جو کہ مقبوضہ کشمیر کے مجاہدین کا بیس کیمپ ہے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ آزاد کشمیر کے رہنماؤں کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے آپ کو آزادی کشمیر کے لئے وقف کر دیتے۔ لیکن ان رہنماؤں نے کرسی کی جنگ لڑنا ہی اپنا فرض سمجھا۔ اس سے مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں پر بھارت کے لئے ظلم کے پہاڑ ڈھانا آسان ہو گیا۔

حد تو یہ کہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے رہنماؤں کے علاوہ مقبوضہ کشمیر کے مجاہدین کے رہنما یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ آخر کار وہ چاہتے کیا ہیں۔

جہاں تک افغانستان کا تعلق ہے تو پاکستان کے مقتدر راہنماؤں نے وہاں کی آگ بجھانے کا کام ایسے لوگوں کے سپرد کیا ہوا ہے جو بااختیار نہیں ہیں۔ جب میں یہ سوچتا ہوں کہ ہمارے سیاسی رہنما یوں اس روز روشن کی طرح حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کہ جب تک افغانستان میں استحکام نہیں ہو گا اس وقت تک پاکستان اس قابل نہیں ہو سکتا کہ وہ کشمیر سے بھارت کو نکالنے کے علاوہ عالم اسلام کے لئے طاقت کا مرکز بن سکے۔ بس یہی سوچ مجھے کھاتی رہی ہے۔ جس قدر پاکستان کے اندر اقتدار کی جنگ میں شدت آتی رہی ہے اسی قدر میرے ذہنی اور اعصابی دباؤ میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی میرے لئے عذاب کا باعث بنی رہی ہے کہ ہمارے سیاست دان اس حقیقت سے کیوں آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں کہ ہماری قوم اخلاقی انحطاط کا بری طرح شکار ہے۔ کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے وہاں کے عوام کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہاں صورت حال یہ ہے کہ انگریز نے ایک صدی کے عرصے میں جو تعلیمی نظام اس خطے میں قائم کیا تھا چھیالیس برسوں میں پاکستانی قوم کے لئے کوئی تعلیمی نظام نہیں۔ انگریز کے وقت کوئی نقل اور پیسے کے زور پر امتحان پاس کرنے کو اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور سمجھتا تھا۔ لیکن اب نقل اور پیسے سے جو ڈگری چاہو حاصل کر لو۔ اس طرح پاکستانی قوم نے انگریز کے قائم کردہ ہر ڈھانچے کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اسی لئے زندگی کے ہر شعبے میں کرپشن' اور غیر ذمہ داری کا رجحان اس قدر بڑھ چکا ہے کہ ہر شخص سخت پریشان ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ وطن عزیز کا کیا بنے گا۔

ان حقائق کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو میرے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ ۱۹۹۲ء کے وسط میں یہ خیال آیا کہ اگر جناب نواز شریف اور محترمہ بے نظیر بھٹو آپس میں اتحاد کر لیں تو صورت حال یکسر تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد میں نے تواتر کے ساتھ یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ان دو رہنماؤں کا باہمی اتحاد وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ دونوں رہنما عقل کی راہ پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن مارچ ۱۹۹۳ء کے اوائل تک مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی۔ کہ یہ دونوں میکاولی اور چانکیہ کے بتائے ہوئے سیاسی داؤ لگا رہے ہیں۔ مجھے صاف نظر آنے لگا کہ اقتدار کی جنگ شدید سے شدید تر ہوتی جائے گی۔ اسی لئے میرے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہونے لگی۔ میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اور یہ کہ میں ایک تنکے کی طرح ہوں جو ایک تیز بہنے والی ندی میں بہا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک آدمی ایسا محسوس کرنے لگے تو وہ پھر بہت جلد مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔

تاہم جب میں مایوسی کا شکار ہونے ہی والا تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ خیال ابھارا کہ میں ایک بہت غریب خاندان میں پیدا ہوا جہاں میرے والد کے انتقال کے بعد ہمیں دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ ہماری ماں کپڑے سینے کی مشین چلا کر ہمیں پالتی تھی۔ میرے چھوٹے بھائی کے علاج کے لئے پیسے نہیں تھے اور وہ بے بسی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ حد یہ تھی کہ سکول کی فیس تک میں نہیں دے سکتا تھا۔ میری اپنی صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کی توفیق دی۔ پہلے میں جولائی ۱۹۴۸ء میں بینک میں ملازم ہوا پھر فروری ۱۹۵۲ء میں فوج میں شامل ہو گیا۔ ریٹائرڈ لیفٹننٹ جنرل عالم جان مسعود اور ریٹائرڈ میجر جنرل خواجہ راحت لطیف اس وقت کوئٹہ اور پھر کاکول میں میرے ساتھ تھے۔ وہ گواہی دیں گے کہ میں انگریزی کا ایک فقرہ تک نہیں بول سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب کیا۔ اور پھر ۱۹۶۵ء میں اللہ نے مجھے میجر بنا دیا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے مجھے فوجی تاریخ پڑھنے کی توفیق دی اور میں جس چھاؤنی میں بھی گیا وہاں کی فوجی لائبریری کو میں نے اپنی توجہ کا خصوصی مرکز بنایا۔

اس کے علاوہ جب میں نے جہاد فلسطین، جہاد مشرقی پاکستان اور جہاد افغانستان میں حصہ لیا تو کم از کم پچاس مرتبہ میں یقینی موت سے بچ گیا۔ ایک مرتبہ مشرقی پاکستان میں جب میں رنگامتی کے علاقے میں فوج کے کمانڈوز کے ساتھ جا رہا تھا تو اچانک دشمن کے فائر کی زد میں آجانے کے باعث میرے ساتھ دائیں بائیں چلنے والے جوانوں میں سے ایک شہید ہو گیا اور دوسرا شدید زخمی ہوا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اوپر گولیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ میں نے اپنے بازو کے ساتھ قرآن مجید باندھا ہوا تھا۔ اللہ نے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا۔ اس طرح جہاد فلسطین میں میں دریائے اردن کے کنارے بیٹھ کر یہودیوں کی ایک فوجی چوکی کا جائزہ لے رہا تھا کہ اسرائیلی فوجی کی گولی میرے کان کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔

اسی لئے جب مایوسی کے بادل میرا گھیراؤ کرنے لگے تو اس وقت میں یہ سوچنے لگا کہ آخر کار اللہ تعالیٰ نے میرے جیسے معمولی سے انسان کو جسے کسی جگہ پر

چپڑاسی ہونا چاہئے تھا، فوج میں افسر بنایا اور پھر وہاں دن رات فوجی تاریخ پڑھنے کی توفیق دی۔ اس کے بعد وہ مجھے بیت المقدس کی آزادی کے لئے کوشش کرنے کے واسطے اردن لے گیا۔ پھر وہ مجھے مشرقی پاکستان لے گیا جہاں میں نے بھارتی قید کے دوران قرآن مجید کو بہت شوق اور ذوق کے ساتھ پڑھا اور اس کی روح کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی۔ جہاد کشمیر کے ساتھ بھی اللہ نے مجھے وابستہ رکھا اور پھر اس نے مجھے جہاد افغانستان میں تاریخ بنتی ہوئی دیکھنے کا موقع دیا۔ اس دوران میں کئی مرتبہ مرنے سے بچا۔

یہی وجہ ہے کہ میں سوچنے لگا کہ مجھ جیسے بے حیثیت انسان کو اللہ تعالیٰ نے اگر اس علم اور تجربہ سے نوازا ہے اور مجھے موت سے بار بار بچایا ہے تو وہ مجھ سے ضرور کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ اسی لمحے مایوسی کے بادل ہٹنے لگے اور یہ خیال میرے ذہن میں روشن ہو گیا کہ مجھے دس برس سے کم عمر کے پاکستانی بچوں پر اپنی توجہ مرتکز کردینی چاہئے۔ اس کے بعد میں نے فوری طور پر یہ فیصلہ کرلیا کہ میں شہر اقبال شہر سیالکوٹ کے بچوں کو نمازی بنا کر ان کا رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم کروا کر انہیں نیکی کی راہ پر گامزن کروں گا اور ان میں علم حاصل کرنے کا شوق ڈال کر انہیں لائق بننے کی ترغیب دوں گا۔ اس کے علاوہ انہیں اس کا عادی بناؤں گا کہ وہ اپنے والدین کے فرمانبردار بنیں اپریل ۱۹۹۴ء سے میں نے اپنے اس مشن پر کام شروع کیا ہوا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے مجھے اس میں کافی کامیابی ہو رہی ہے۔

اسے مجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہی سمجھا جائے کہ اس وقت جامع مسجد کچی نزد پسروریاں کے نمازیوں میں سے کئی افراد میرے گہرے دوست بن چکے ہیں اور میرے مشن کی تکمیل میں میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں یہاں سابق کونسلر ارشد محمود بگو زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین پیر عبدالغفور شاہ جناب میاں اسحاق سلہریا اور جناب انعام الحق قادری کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں یہ لوگ پوری طرح میرے ساتھ ہیں۔ یہ ان لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ چند روز قبل جب جماعت اسلامی پنجاب کے ناظم حافظ محمد ادریس اتفاق سے ہماری کچی مسجد میں آئے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ صبح کی نماز کے وقت ساڑھے تین برس کی عمر سے لے کر دس برس کی عمر تک کے پچاس کے قریب بچے ہیں۔ پہلی صف میں ان کے ساتھ ساڑھے تین برس کا بچہ کھڑا تھا۔ انہوں نے یہ بتایا کہ وہ لڑکا بڑوں کی طرح نماز پڑھ رہا تھا۔

آخر میں مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ شہر اقبال میں ایک خاموش پر امن انقلاب برپا کیا جا رہا ہے۔ بچوں کو ایسی راہ پر ڈالا جا رہا ہے جو انہیں والدین کا فرمانبردار بنانے کے علاوہ نیک اور لائق بنادے گی۔ اس طرح پندرہ برس کے بعد جو نسل آگے آئے گی وہ حالات کا رخ موڑ دے گی۔ یہ کام بڑا صبر آزما ہے۔ فوری پھل ملنے کا کوئی امکان نہیں۔ پھل پندرہ برس بعد ملے گا۔ اس لئے اس میں وہی حصہ لے گا جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ کئی برسوں تک صبر کر سکتا ہے۔ ان شاء اللہ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو پھر یہ پورے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے ایک قابل تقلید مثال بن جائے گا۔ ○○

عن عبد اللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"لَیَأتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ ..." (رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری اُمت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے۔"

بقیہ: افتتاحیہ

نوجوانوں نے معصوم بچوں کو یرغمال بنا کر ناواجب مطالبات کی منظوری پر اصرار کیا جو ہرگز نہیں مانے جا سکتے تھے چنانچہ وہ تو اپنی جان سے گئے اور پاکستان میں ان لوگوں کو اپنے خبث باطن کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا جن پر مسلمانوں کی عالمی برادری کا تصور بہت شاق گزرتا ہے۔ ہم لوگوں پر تو پہلے ہی مغربی علوم سیاست کی مار پڑی ہوئی ہے جس نے ہمیں ان رسوم و قیود کا تابع مہمل بنا کر رکھ دیا ہے جس نے وحدت امت کو خانوں میں بانٹ کر چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تبدیل کردیا تاکہ اجنبی استعمار کے لئے ہم سدا تر نوالہ ثابت ہوں۔ کاش یہ نام نہاد "عدم مداخلت" ہمارے آڑے نہ آتی اور ہم برادر اور ہمسایہ ملک افغانستان کی خانہ جنگی رکوانے میں کوئی موثر کردار ادا کرسکتے۔ ہزاروں معصوم افغان بچے برف باری کے موسم میں کھلے آسمان کے نیچے ٹھٹھر کر مرتے اور بھوک سے بلبلا نہ رہے ہوتے تو ان نامعلوم نوجوانوں کے ہاتھ ایک بہانہ کیوں لگتا جو شکل و صورت سے بڑے معصوم لگتے تھے۔ ○○

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

عظمت قرآن

بزبان قرآن و صاحبِ قرآن

کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ خود پڑھئے اور دوسروں تک پہنچائیے!

صفحات ۲۸، قیمت (عام ایڈیشن) -/۴ روپے، (اعلیٰ ایڈیشن) -/۷ روپے

پاکستان میں اسلامی فلاحی مملکت کے قیام کے بارے میں تجاویز

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی صاحب کی زیر نظر تجاویز کو ہم اس سوال کے ساتھ قارئین کی نذر کر رہے ہیں کہ یہ تجاویز تو بجا ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان تجاویز کو روبعمل کیونکر لایا جائے؟---- وہ قوت کہاں ہے جو اسلامی فلاحی مملکت کے قیام کی راہ کی رکاوٹوں کو دور کر سکے؟ ہمارا موجودہ نظام پورے کا پورا خلاف اسلام ہے اور خود اس کا وجود ہی تو اسلامی نظام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے!---- نظام کو بدلے بغیر عمدہ سے عمدہ تجاویز بھی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں!!....(ادارہ)

اگر ہم ناروے، سویڈن، ہالینڈ، مغربی جرمنی اور برطانیہ جیسے ممالک کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا کھوج ملتا ہے کہ ان ممالک نے فلاحی مملکتیں تو قائم کر دیں مگر وہ معاشرے میں پاکیزگی اور عفت کا نظام قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ جبکہ یہ کام رسول اللہ ﷺ اور خلافت راشدہ کے دور مبارک میں مکمل ہو چکا تھا۔ آج کل کی جدید فلاحی مملکتوں میں جو نمایاں خدوخال ملتے ہیں وہ تصورات آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے ہمیں نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے دیئے۔ ایسا معاشرہ قائم ہوا جس کی بنیاد مروت، اخوت، مودت، موانست، خیرسگالی اور خیرخواہی پر رکھی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد مبارک میں لوگ اس قدر خوش حال اور معاشی لحاظ سے خود کفیل تھے کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لئے پھرتے تھے اور کوئی انہیں وصول کرنے والا نہ ملتا تھا۔ یحیٰی بن سعد لکھتے ہیں کہ انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افریقہ میں صدقات کی وصولی اور تقسیم کے لئے روانہ کیا۔ کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو صدقہ قبول کرتا۔ آخر کار اس صدقہ سے غلام خرید کر انہیں آزاد کرایا۔

پاکستان میں معاشی بدحالی کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں۔ وسائل کی کمی اور مسائل کی کثرت نے زندگی اجیرن بنادی ہے۔ آج بھی ہم اسلامی فلاحی ریاست قائم کرکے نظام کفالت عامہ قائم کرسکتے ہیں۔ اس ضمن میں حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سیرت طیبہ اور خلافت راشدہ سے رہنمائی :

خلفائے راشدینؓ کے دور مبارک میں نبی اکرم ﷺ کے نظام حکومت کا رنگ اور آپ کی تربیت کا پر تو تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ فرمان کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بغیر چارہ کے مرجائے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں سوال کریں گے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ حضور ﷺ کے نظام حکومت اور خلفائے راشدین کے دور حکومت اور نظام کفالت عامہ پر پاکستان کی یونیورسٹیوں اور تحقیقاتی اداروں میں ریسرچ کرائی جائے۔ سیرت طیبہ اور خلافت راشدہ سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ اس نظام حکومت کی تشہیر بھی کی جائے تاکہ اس کے فیوض اور برکات کا اندازہ ہوسکے۔ برطانیہ جیسے مہذب ملک میں امداد محتاجگان کا قانون ۱۹۰۱ء میں بنا جبکہ اسلام نے ۱۴۰۰ سال پہلے بے روزگاروں، معذوروں اور غرباء و مساکین کی امداد اور بحالی کا نظام عطا فرمایا۔

(۲) شریعت بطور سپریم لاء :

پاکستان میں شریعت کو ملک کا سپریم لاء بنایا جائے وگرنہ اس کے بغیر فلاحی ریاست کا تصور کرنا بھی محال ہے۔

(۳) سادگی :

سادگی اختیار کی جائے۔ حکام پہلے خود اس پر عمل کریں تاکہ عوام پر اثر ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا بستر مبارک ٹاٹ کا تھا اس پر لیٹتے تو بدن مبارک پر نشان پڑ جاتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی تعالیٰ عنہا نے صحابہ کرامؓ کو پیوند لگی ہوئی ایک چادر اور پیوند لگا ہوا ایک تہمد دکھایا کہ تمہارے رسول اللہ نے یہ ترکہ چھوڑا تھا۔

(۴) ابلاغ عامہ اور اصلاح معاشرہ :

ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع اصلاح معاشرہ کے لئے بھرپور کام کریں۔

(۵) رشوت اور دیگر رذائل کی بیخ کنی :

رشوت اور دیگر رذائل مثلاً سمگلنگ وغیرہ کی بیخ کنی کی اشد ضرورت ہے۔ وہ محکمہ جات جو انسداد رشوت ستانی سے متعلقہ ہیں وہاں اعلیٰ صفات کے اہلکاران کو متعین کیا جائے۔ رشوت لینے والے اور دینے والے کے لئے قرار واقعی سزائیں مقرر ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ تنخواہیں معقول بنائی جائیں اور دیگر ضروری سہولیات مہیا کی جائیں۔

(۶) سامان تعیش اور باڑا مارکیٹیں :

سامان تعیش پر ڈیوٹی بڑھائی جائے۔ باڑا مارکیٹیں بند کی جائیں۔ غیر ملکی مصنوعات کی درآمد سختی سے بند کی جائے۔ حکومت کا ہر طبقہ اس قانون کی پابندی کرے۔ کسی کے لئے بھی چھوٹ نہ ہو۔ وگرنہ ایسے قوانین نافذ العمل نہیں رہتے۔

(۷) محتسب کی ضرورت :

نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مارکیٹ کی باقاعدگی سے محتسب کے ذریعے نگرانی ہوتی تھی۔ یہ ادارہ عامل السوق کہلاتا تھا۔ محتسب کے ذریعے سختی سے قیمتوں پر قابو پایا جائے۔ ذخیرہ اندوزی پر قابو پایا جائے۔ ذخیرہ اندوزی اور ایسی دیگر برائیوں کی روک تھام کی جائے۔

(۸) فضول رسوم کی بیخ کنی :

شادی بیاہ میں فضول رسوم کی بیخ کنی کی جائے۔ جہیز کی نمائش اور طلبی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ پاکستان میں اکثر لڑکیوں کو جائیداد سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس رسم کو ختم کیا جائے اور لڑکیوں کو اپنا شرعی حصہ ملے۔

(۹) زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم میں اصلاح :

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم اسلامی احکام اور تعلیمات کے مطابق ہو۔ زکوٰۃ کی کٹوتی بھی اسلامی

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

صاحب کے گھر کھانا کھایا اور تین بجے میانوالی کے لئے روانہ ہوگئے۔ مغرب کی نماز میانوالی میں ادا کی۔ یہاں بھی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق نماز مغرب کے بعد خطاب کا پروگرام تھا۔ اس موقع پر خطاب کی ذمہ داری جناب ملک احسان الٰہی نے نبھائی اور نمازیوں کے سامنے "نظام خلافت کیا ہے" کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔

رات آٹھ بجے معاونین سے ریسٹ ہاؤس میں ملاقاتیں کی گئی۔ یہاں دوسرے معاونین تحریک خلافت کے علاوہ قبیلہ انصار کے افراد نے بھی ناظم اعلیٰ سے ملاقات کی۔

اگلے روز یعنی ۶ فروری کو علاقے کے معززین سے ملاقات کی گئی۔ جناب جنرل انصاری نے ان حضرات سے مفصل تبادلہ خیال کیا نیز ان کے سامنے تحریک خلافت کی مکمل دعوت رکھی اسی روز ساڑھے بارہ بجے بار کونسل سے بھی محترم جنرل صاحب نے خطاب فرمایا۔ بار کونسل کے سامنے تفصیل کے ساتھ تحریک خلافت کی فکر، پروگرام اور طریق کار رکھا گیا نیز وکلاء کے سوالات کے جواب بھی دیئے۔ اس موقع پر وکلاء کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔

بار کونسل سے خطاب اس تین دورہ کا آخری پروگرام تھا سرگودھا اور فیصل آباد کے رفقاء اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہوئے اور ہمارا تین افراد پر مشتمل یہ مختصر سا قافلہ سوئے لاہور روانہ ہوا۔

یہ تین روزہ دورہ ہر لحاظ سے انتہائی کامیاب رہا۔ میرا ذاتی تاثر یہ ہے اور اس میں ہمارے رفیق سفر جناب تنویر عظمت بھی شامل ہیں کہ جنرل صاحب کے ان دوروں کے دورس نتائج برآمد ہوں گے۔ نوجوانوں میں جنرل صاحب کی دوڑ دھوپ سے نیا ولولہ پیدا ہوا ہے۔ نوجوان ساتھی جو کہ نسبتاً غیر فعال ہیں وہ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اگر عمر کے اس حصے میں پہنچنے کے باوجود ناظم اعلیٰ صاحب اتنے طویل اسفار کی صعوبتیں برداشت کرسکتے ہیں تو ہمیں بھی اپنی توانائیوں کو بچا کر نہیں رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا تاثر یہ ہے کہ معاونین تحریک جنرل انصاری صاحب سے مل کر اپنائیت محسوس کرتے ہیں اور یہ احساس اپنائیت معاونین کے درمیان بھی پروان چڑھ رہا ہے۔ محترم جنرل صاحب اپنے اور معاونین کے درمیان کسی فاصلہ کے قائل نہیں ہیں بلکہ کھل کر گفتگو کرتے ہیں، ان کے ذاتی و تحریکی مسائل سنتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سعی و جہد کو قبول فرمائے اور اپنے دین کے غلبے کے لئے ہمیں منتخب فرمالے۔ آمین OO

"سوڈان دہشت گرد ہے"

ذوق جنوں میں فرد ہے — اسلام کا ہمدرد ہے
یہ میرے سر کا درد ہے — سوڈان دہشت گرد ہے
یہ قرض کی پیتا نہیں — خیرات پر جیتا نہیں
چاک جنوں سیتا نہیں — سوڈان دہشت گرد ہے
شیطان کا دشمن ہے یہ — میخانوں کا رہزن ہے یہ
اور سود کا مدفن ہے یہ — سوڈان دہشت گرد ہے
اسلام کا شیدائی ہے — مسلم کا مسلم بھائی ہے
نیکی کا یہ سودائی ہے — سوڈان دہشت گرد ہے
شرم و حیا کا پاس ہے — جینے کی اس کو آس ہے
اسلام اس کو راس ہے — سوڈان دہشت گرد ہے
ہم سے یہ کیوں دبتا نہیں — سجدے ہمیں کرتا نہیں
فاقوں سے کیوں مرتا نہیں — سوڈان دہشت گرد ہے
اس کی نرالی شان ہے — اس کا گرو ایران ہے
غم خوار پاکستان ہے — سوڈان دہشت گرد ہے
سرگشتہ ایمان ہے — قرآں میں اس کی جان ہے
اسلام اس کی شان ہے — سوڈان دہشت گرد ہے
آلودۂ سم قند ہے — ہر راہ اس پر بند ہے
دنیا مری پابند ہے — سوڈان دہشت گرد ہے
مذہب کا شیدائی ہے یہ — غیرت کا سودائی ہے یہ
مظلوم کا بھائی ہے یہ — سوڈان دہشت گرد ہے
اپنی خودی کا ہے جنوں — ہوتا نہیں ہے سرنگوں
چلتا نہیں میرا فسوں — سوڈان دہشت گرد ہے
یہ سام کا اعلان ہے — اسلام پر بہتان ہے
یہ ظلم کی پہچان ہے — اس کو ہوا خفقان ہے
یہ خود ہی دہشت گرد ہے

——— اسرار احمد سہاوری

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

خالصتان کا قیام ہمارے مفاد میں نہیں لیکن ریاستی رازوں کا افشاء تو جرم ہے

ہائی جیکروں کی ہلاکت پر افغان بھائیوں کے ردعمل میں خطرناک اشارے مضمر ہیں

نواز شریف لوگوں کو سڑکوں پر لاسکتے ہیں کیونکہ بڑے شہر' تاجر اور متوسط طبقہ حکومت کا حامی نہیں

امیر تنظیم اسلامی و داعئ تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ

لاہور - ۲۵ فروری: امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ریاستی راز کے افشاء پر بے نظیر بھٹو کو قومی مجرم گردانا جائے تو یہ اپنی جگہ حق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر ہمارے لئے اس شر میں سے ایک خیر ضرور برآمد کر دیا ہے کیونکہ خالصتان کی تحریک کی کامیابی کسی بھی طرح پاکستان کے مفاد میں نہ تھی۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک سکھ لیڈر کے اس بیان سے ہمیں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے جس میں انہوں نے پیپلزپارٹی کی قیادت سے شکوہ کرتے ہوئے جتایا ہے کہ سکھوں نے پاکستان سے تو ایک مربع انچ زمین بھی نہیں مانگی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس یقین کا اظہار کیا کہ آزاد خالصتان کے قیام کے بعد سکھوں کی نظروں کا ہمارے پنجاب پر اٹھنا یقینی امر تھا کیونکہ ان کے مقدس ترین مقامات ستلج کے پار پاکستان میں واقع ہیں اور ان کے قول و عمل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوؤں کا آلہ کار بن کر سکھوں نے ۱۹۴۷ء میں کیا مسلمانوں کے ساتھ درندگی نہیں کی تھی؟۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ میاں نواز شریف کے اس سوال کا جواب تاحال وزیر اعظم کی طرف سے نہیں آیا کہ راجیو گاندھی کو سکھوں کے خلاف کیا مدد دی گئی تھی اور جب تک اس کی نوعیت معلوم نہ ہو کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر وہ نہ بتائیں تو ظاہر ہے کہ لوگوں کو قیاس سے کام لینے کا حق ہے جو یہ ہے کہ آزادی کے لئے لڑنے والے سکھوں کی فہرستیں راجیو گاندھی کو مہیا کردی گئی تھیں جنہیں چن چن کر مار دیا گیا اور خالصتان کی تحریک دم توڑ گئی۔ اس خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اگر ہماری پچھلی حکومتیں اعلانیہ انکار کے باوجود سکھوں کی اخلاقی مدد سے بڑھ کر کوئی عملی مدد بھی کر رہی تھیں تو یہ ہمارے اخلاقی و دینی اصولوں اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تھی لیکن اس کے باوجود بے نظیر نے فہرستیں بھارتی حکومت کے حوالے کرکے ایک سنگین قومی جرم کیا جس پر گرفت ہونی چاہئے۔ ملک میں ایسا کوئی ادارہ موجود ہے جس کے دائرہ کار میں یہ اختیار آتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ ریاستی راز کو دشمن تک پہنچانے کے جرم کی قرار واقعی سزا دے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے ان بحرانوں کا ذکر کرتے ہوئے جو بین الاقوامی سطح پر ملک کو درپیش ہیں خاص طور پر مسئلہ کشمیر اور افغانستان کا حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ خود بھارتی دانشوروں کی تحریروں سے اس امید کی کلی ذرا کھلی تھی کہ کشمیر کے معاملے میں بھارتی قیادت اب عقل کے ناخن لے گی لیکن معلوم ہوا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے اور بھارت نے بھی زمانے بھر کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا بلکہ ہمارے لئے یہ بات بھی فکر مندی کی ہے کہ اس دفعہ اپنے دورے میں وزیر اعظم مسئلہ کشمیر پر چین سے پاکستان کے حق میں کوئی واضح اور زور دار بات نہیں کہلوا سکیں۔ چین کی اپنی مشکلات اور اپنے مسائل ہیں اور وہ امریکہ اور بھارت کی خوشنودی کو اب زیادہ اہمیت دینے لگا ہے جنہیں اصل استعمار یعنی صیہونیت کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے افغانستان میں جہاد کے فساد میں بدل جانے پر عمومی تشویش کے اظہار کے ساتھ ان تازہ واقعات کی نزاکت پر خاص زور دیا جو پشاور سے بچوں کی بس کے اغواء کے بعد افغان ہائی جیکروں کے مارے جانے پر سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کابل میں پاکستانی سفارت خانے اور طورخم میں پاکستانی چوکی پر حملے ہمیں خوفناک سگنل دے رہے ہیں کیونکہ لاکھوں افغانیوں کی ہمارے ملک میں موجودگی جن میں سے بہت سے مسلح اور تربیت یافتہ بھی ہیں' ہماری قومی سلامتی کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے۔

ملک کو درپیش داخلی بحرانوں میں ڈاکٹر اسرار احمد نے حزب اختلاف اور حکومت کے درمیان لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی محاذ آرائی کو سرفہرست رکھا اور قوم کو خبردار کیا کہ میاں نواز شریف لوگوں کو سڑکوں پر لانے کی جو باتیں کر رہے ہیں ان میں وزن موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ احتجاجی تحریکیں شہروں سے ہی اٹھتی ہیں اور وہیں زور پکڑتی ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ بڑے شہر' ان کے تاجر اور متوسط طبقات اپوزیشن کے ہاتھ میں ہیں چنانچہ وہ اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ کچھ اسی طرح کا ہوگا جیسا ہمیشہ نکلتا آیا ہے کہ بھاری بوٹوں کی چاپ سارے شور و شغب پر غالب آجائے یا پھر وہ ہوگا جس کی طرف جنرل مرزا اسلم بیگ اشارے کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے شمال کی جانب صوبہ سرحد میں پیش آنے والے ہماری پارلیمانی تاریخ کے بدترین واقعات کی مذمت کی جس نے عدالتی' دستوری اور پارلیمانی ہر سطح پر بحران کو جنم دیا ہے اور خبردار کیا کہ ولی خان کی باتوں سے خون کی بو آتی ہے۔ انہوں نے جنوب میں سندھ کی صورت حال کو بھی بحرانی قرار دیا جہاں از کار رفتہ بوڑھے جی ایم سید کو ایک بار پھر اونچی آواز میں ہانک لگانے کی ہمت ہوگئی ہے۔ افہام و تفہیم میں دل و دماغ کی صلاحتیں آزمانے کی بجائے پیپلزپارٹی نے ان کے ایک ممبر صوبائی اسمبلی کو وزیر بنا کر ایم کیو ایم میں بھی نقب

(باقی صفحہ ۱۶ پر)